جلد 1 شمارہ 13 مارچ 2000ء ذوالحجہ 1420ھ

ماہنامہ

عالمگیر محبت،
احترام آدمیت
اور اصلاح و
فلاح انسانیت
کا علمبردار

گوجرانوالہ

آدمیت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اغراض و مقاصد

- کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق خالص توحید' اتباع رسول ﷺ' کثرت ذکر' مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالےٰ کے قرب و عرفان اور اسکی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا۔
- حضور ﷺ کے اصحابہ کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت ہی مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ و نفرت' حسد و بغض' تجسس و غیبت اور ہوا وہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ' تسلیم و رضا' عالمگیر محبت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا۔
- فرقہ واریت' مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا' تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات' اہل و عیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا' اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا۔ اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے انکے اخلاق کی اصلاح کرنا۔

عالمگیر محبت' اکرام انسانیت اور فلاح آدمیت کا علمبردار

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ماہنامہ گوجرانوالہ

آدمیت فلاح

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

جلد 1 شمارہ 13 مارچ 2000ء ذوالحجہ 1420ھ

نگران و سرپرست

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

قیمت ــــــــــــ 15/- روپے سالانہ فنڈ ــــــــــــ 150/- روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی کاشانہ توحیدیہ نوکھر ضلع گوجرانوالہ Ph:0431-268424:

ایڈیٹر سے رابطہ کیلئے: عبدالقیوم ہاشمی تھانہ روڈ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ Ph:0431-260734:

پبلشر عامر رشید انصاری نے المعراج پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-431-255519
E-mail: asbm@guj.pol.com.pk

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

اداریہ

قارئین محترم یہ ایک حقیقت ہے کہ صالح کردار کے لوگ آج کے معاشرے میں ملنا بے حد دشوار ہو گئے ہیں۔ ہمارا وطن بھی آج اسی مسئلے سے دو چار ہے۔ حکومت پاکستان احتساب کرنا چاہتی ہے مگر اس کے لئے اسے ایماندار اور صالح لوگ بسیار کوشش کے نہیں مل سکے۔ یہ صورت حال ہم سب مسلمانوں کے کمزور ایمان کی ترجمانی کر رہی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے نفس کس قدر بگڑ چکے ہیں۔ یعنی دلوں کی اصلاح کا کام بالکل نہیں ہو رہا۔

حضور نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق دنیا کی محبت ہی تمام برائیوں کا منبع ہے۔ مسلمان اگر مضبوط ایمان اور اعلیٰ کردار اپنے اندر پیدا کرنا چاہتے ہیں تو ان کے لئے کثرت ذکر الٰہی اور کسی اہل اللہ کی صحبت لازمی ہے۔ صحابہ کرامؓ کی دنیا سے بے نیازی کا سبب کثرت ذکر اور صحبت رسول ﷺ ہی تھا۔ اسی طریقہ سے نفس انسانی سدھر سکتا ہے یاد رہے کہ آپ ﷺ نے دنیا کو برا نہیں فرمایا بلکہ دل میں جو دنیا کی محبت بیٹھ جاتی ہے اسے تمام برائیوں اور خامیوں کا سبب قرار دیا ہے۔ مسلم امہ کی بیداری اور اس کا اللہ سے تعلق قائم کرنے کے لئے بانی سلسلہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ سلسلہ توحیدیہ کی بنیاد رکھی جو اس وقت الحمدللہ اس وقت قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب کی سرپرستی میں اس مشن کو آگے لے کر چل رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اہل اللہ کی صحبت سے زیادہ سے زیادہ مستفیض فرمائے۔ امین

(والسلام عبدالقیوم ہاشمی)

درس قرآن

(ڈاکٹر عبدالرشید وقار)

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ (القلم)

ترجمہ! "اور بے شک آپ عظیم اخلاق والے ہیں"

تشریح! کفار و مشرکین حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دیوانہ ہونے کا الزام لگاتے تھے۔ ان کے یاس لغو الزام کی تردید خود رب دو جہاں نے فرمائی اور واضح کر دیا کہ جس ہستی بے مثال کو تم مجنوں کہتے ہو اس جیسا اخلاق دنیا کے کسی شخص میں نظر نہ آئے گا۔ جو انسان فاتر العقل ہو اس میں اچھے اخلاق کہاں ملتے ہیں۔ وہ علم و حکمت کی باتیں کیسے کر سکتا ہے۔ ہمارا رسول ایسے ستودہ صفات ہستی ہے کہ قیامت تک آنے والے انسان ان کے ارشادات سے رہنمائی حاصل کرتے رہیں گے۔ قلم کو ان کی تعریف سے فرصت نہ ملے گی۔ آپ کے فرمودات دنیا بھر کے دانشوروں کے لئے سرمایہ افتخار ثابت ہوں گے۔ یہ مبنی پر حکمت باتیں سن کر دل کے ویرانوں میں بہار آجائے گی۔ جو بھی آپ کے اقوال پر عمل پیرا ہو گا اس کو ابدی سعادت کا تاج پہنایا جائے گا۔ صداقت کے معاملہ میں میرے نبی کا ہر قول و فعل شائد عادل تصور کیا جائے گا۔ ذرا انصاف سے سوچو جس کا گلشن حکمت خزاں نادیدہ ہو جس کا علم بحر بیکراں ہو جس کی زبان سوائے سچ کے اور کچھ بیان نہ کرے وہ دیوانہ کیسے ہو سکتا ہے۔ جو سب کچھ سننے اور دیکھنے کے بعد بھی آپ کو دیوانہ کہے اس سے بڑا پاگل دنیا میں اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ خالق اپنے لاثانی شاہکار کی خود تعریف کر رہا ہے۔ کہ میرا محبوب اخلاق کی بلندیوں پر فائز ہے۔

امام فخرالدین رازیؒ نے فرمایا خلق نفس کی اس صداقت کو کہتے ہیں جس کے ذریعے

افعال جمیلہ اور خصال حمیدہ پر عمل کرنا آسان ہو جائے۔

کسی اچھے اور خوبصورت فعل کا انجام دینا اور بات ہے لیکن اس کو بغیر کسی تکلیف کے کر گزرنا۔ "خلق" کہلائے گا۔ جس طرح آنکھ بے تکلف دیکھتی ہے۔ کان بغیر تکلف سنتے ہیں اور زبان بے تکلف بولتی ہے' اسی طرح انسان بلا تکلف سچ بولے۔ بلا تکلف سخاوت کرے۔ بلا تکلف اچھے اور پسندیدہ امور انجام دے تو ان کو اچھے اخلاق شمار کیا جائے گا۔

لفظ "لعلی" کا مطلب ہے چھا جانا' قابو پالینا ارشاد ربانی کا مطلب یہ نکلا کہ آپ ﷺ اخلاق حمیدہ اور افعال پسندیدہ پر قابض ہیں۔ یہ سب زیر فرمان ہیں۔ ان امور کی انجام دہی کے لئے کسی بناوٹ یا تکلف کی ضرورت ہی نہیں ہیں۔ ذات محمدی سے اوصاف وکمالات کی کرنیں خود بخود نکل رہی ہیں اور اہل دنیا فیض یاب ہو رہے ہیں۔ حضور ﷺ کی ذات اقدس میں تمام پسندیدہ خصائل کو جمع فرمادیا گیا ہے۔

حسن یوسف دم عیسی ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

آپ اپنی ظاہری شکل و صورت اور سیرت و اخلاق کے اعتبار سے تمام انبیاء سے برتر ہیں۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد ہے ادبنی ربی تادیبا حسنا

اللہ تعالیٰ نے مجھے ادب سکھایا اور خوب سکھایا۔ جس ہستی کا معلم خود خالق کائنات ہو اس کے کمالات کا اندازہ کون کر سکتا ہے

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کے اخلاق حسنہ کی نعمت سے مالا مال فرمائے۔ آمین

درس حدیث

(رانا محمد اعجاز)

عن معاذ بن جبل انه سال النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن افضل الایمان قال ان تحب للہ وتبغض للہ وتعمل لسانک فی ذکر اللہ قال وماذا یارسول اللہ قال وان تحب للناس ماتحب لنفسک وتکرہ لھم ماتکرہ لنفسک

ترجمہ! حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ سے افضل ایمان کے متعلق سوال کیا کہ ایمان کا اعلیٰ اور افضل درجہ کیا ہے اور وہ کون سے اعمال و اخلاق ہیں جن کے ذریعہ اس کو حاصل کیا جا سکتا ہے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ پس اللہ تعالیٰ کے لئے کسی سے تمہاری محبت ہو اور اللہ ہی کے واسطے بغض و عداوت ہو اور دوسرا یہ کہ اپنی زبان کو تم اللہ کی یاد میں لگائے رکھو حضرت معاذؓ نے عرض کی اور کہا یارسول اللہ ﷺ آپؐ نے فرمایا اور یہ کہ دوسرے لوگوں کے لئے بھی وہی چاہو اور وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو اور چاہتے ہو اور ان کے لئے بھی ان چیزوں کو ناپسند کرو جو اپنے لئے ناپسند کرتے ہو"

حضرت معاذؓ کے سوالوں کے جواب میں رسول کریم ﷺ نے اس حدیث مبارکہ میں تین چیزوں کا ذکر فرمایا ہے بتلایا ہے کہ کامل ایمان جب نصیب ہو گا جب کہ تین باتیں کسی شخص میں پیدا ہو جائیں ایک یہ کہ خدا تعالیٰ کے لئے دوستی اور دشمنی۔ دوسرے زبان کو یاد الہٰی میں مشغول رکھنا اور تیسرا بندگان خدا کی ایسی خیر خواہی جو اپنے لئے چاہے وہی سب کے لئے چاہے اور جو اپنے لئے نہ چاہے وہ کسی کے لئے بھی نہ چاہے۔

مراد یہ ہے کہ جس شخص نے اپنی حرکات و سکنات اور اپنے جذبات کو اس طرح مرضی الہٰی کے تابع کر دیا کہ وہ جس سے تعلق جوڑتا ہے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے جوڑتا ہے اور جس سے توڑتا ہے اللہ تعالیٰ کے لئے توڑتا ہے جو کو دیتا ہے ہے اللہ ہی کے لئے دیتا ہے اور جس کے دینے سے روکتا ہے صرف اللہ ہی کی خوشنودی کے لئے روکتا ہے۔

الغرض یہ کہ جس کے ایجابی اور قلبی رجحانات اور جذبات مثلاً" محبت و عداوت اور اسی طرح

مثبت و منفی ظاہری افعال و حرکات مثلاً" کسی کو کچھ دینا نہ دینا یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کے واسطے ہونگے تو اس نے تکمیل ایمان کی شرط کو پورا کر دیا۔

دوسرا یہ کہ زبان کو یادالٰہی میں اس طرح مشغول کرے کہ کوئی سانس بھی یادالٰہی سے خالی نہ ہو۔

ایمان کے اصل مقام تک پہنچنے کے لئے اور اس کی خاص برکتیں حاصل کرنے کے لئے جو تیسری بات مذکورہ بالا حدیث مبارکہ میں بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ آدمی خود غرضی سے پاک ہو اور اس کے دل میں اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کے لئے اتنی خیر خواہی ہو کہ جو نعمت 'بھلائی اور بہتری وہ اپنے لئے چاہے وہی دوسرے بھائیوں کے لئے بھی چاہے اور جو چیز اپنے لئے پسند نہ کرے اس کو کسی دوسرے کے لئے بھی پسند نہ کرے کیونکہ خیر خواہی کے بغیر تکمیل ایمان ممکن نہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ بندہ کے ایمان کی تکمیل کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کو اللہ و رسول کے ساتھ اور ان کے دین کے ساتھ تمام ماسوا سے زیادہ محبت ہو اور ان کے سوا جس سے بھی محبت ہو ان ہی کے تعلق سے اور ان ہی کے واسطے سے ہو اور یہ کہ بندہ کا دل خود غرضی سے بالکل پاک صاف ہو اور اس کا حاصل یہ ہو کہ جو کچھ بھی وہ اپنے لئے چاہے وہی اللہ تعالیٰ کے دوسرے بندوں کے لئے بھی چاہے اور جس چیز کو وہ اپنے لئے پسند نہ کرے اس کو دوسرے بھائیوں کے لئے بھی پسند نہ کرے۔

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ ایمان کا دعویٰ کرنے والی کسی قوم اور کسی معاشرے کے ایمان کی تکمیل کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان میں باہم محبت' خیر خواہی اور بھائی چارہ ہو اور اگر ان کے دل ایک دوسرے کی محبت سے خالی ہوں تو سمجھنا چاہئے کہ وہ حقیقت ایمان اور اس کے برکات و ثمرات سے دور ہیں اور اب یہ ہمارے لئے سوال ہے کہ کیا ہم مذکورہ با" حدیث مبارکہ میں بیان کردہ باتوں (نصیحتوں) پر عمل کر رہے ہیں؟

صدائے فقیر

دس منٹ اللہ کے لئے

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ذکر اور اس کی یاد ہی عبادات کی حقیقی روح ہے۔ حضوری قلب نہ ہو تو نماز بھی ایک جسد بے جان بن کر رہ جاتی ہے۔ چنانچہ سورت عنکبوت کی آیت 45 میں ارشاد ربانی ہے ولذکر اللہ اکبر واللہ یعلم ما تصنعونO "اور یقین کرو کہ اللہ کا ذکر ہر چیز سے بزرگ تر ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے"۔ ذکر اللہ کی بڑی برکات ہیں اس سے دلوں کی سیاہی دور ہوتی اور شیطان کے مکروفریب سے پناہ ملتی ہے۔ اللہ کے ساتھ تعلق قائم ہوتا اور اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے۔ ذکر ہی اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے قرب کی کنجی ہے اسی سے اللہ تعالیٰ نے اس خصوصی عمل کو کثرت سے کرنے کا حکم دیا ہے۔ یایھا الذین امنوا اذکروا اللہ ذکرا کثیرا وسبحوہ بکرۃ واصیلا (الاحزاب 41'42) یعنی اے ایمان والو اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح کرو

کثرت ذکر سے مقصود یہ ہے کہ سالک چلتے پھرتے' اٹھتے بیٹھتے' سوتے جاگتے الغرض ہر جگہ اور ہر وقت اپنے محبوب حقیقی کو یاد رکھے تاکہ اس کے دل سے ماسواء اللہ کا خیال نکل جائے اور اللہ کی یاد گھر کر جائے۔ یہاں تک کہ اللہ کی حضوری کا احساس اور ادراک ہونے لگے۔ جو لوگ مرشد کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق پوری توجہ اور دھیان سے اللہ کی محبت میں ڈوب کر اس کا ذکر کرتے ہیں وہ جلد ہی منزل مقصود پر پہنچ جاتے ہیں قرآن کریم میں جہاں یہ محبت بھرا ارشاد ہوا ہے کہ تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کرونگا وہاں ایک حدیث قدسی میں یہ بشارت دی گئی ہے کہ انا جلیس من ذکرنی یعنی جو میرا ذکر کرتا ہے میں اس کا ہمنشین ہوتا ہوں۔

تصوف کے پرانے سلسلوں میں سالکان راہ خدا کو پڑھنے کے لئے لمبے چوڑے اذکار و اوراد تعلیم کئے جاتے تھے جو اس دور میں قابل عمل نہیں رہے۔ موجودہ دور کی مصروف زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے سلسلہ توحیدیہ میں صرف دو ذکر تعلیم کئے جاتے ہیں۔ پہلا ذکر لا الہ الا اللہ کا ہے اور اسے نفی اثبات کا ذکر کہتے ہیں اور یہ رات کی نمازوں میں سے کسی ایک کے بعد

صرف پندرہ بیس منٹ کے لئے کیا جاتا ہے۔ دوسرے ذکر کو پاس انفاس کہتے ہیں یعنی سانسوں کا خیال رکھنا کہ کوئی سانس اللہ کی یاد سے خالی نہ گذرے۔ اس ذکر کے لئے خصوصی وقت اور جگہ کی قطعاً ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ ہر جگہ ہر وقت اور ہر حالت میں آسانی کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ ذکر کا طریقہ بانی سلسلہ قبلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے اپنی تصانیف "تعمیر ملت" اور "طریقت توحیدیہ" میں پوری وضاحت کے ساتھ بیان فرمادیا ہے۔ اس کے علاوہ متلاشیان حق کی راہنمائی کے لئے پاس انفاس کے ذکر کے بارے میں ایک محققانہ نکتہ جو کہ اپنے آخری خطبہ میں قلمبند فرمایا وہ ایک تحفہ سے کم نہیں۔ برادران سلسلہ کی سہولت اور یاد دہانی کے لئے میں مطلوبہ اقتباس یہاں نقل کر رہا ہوں تاکہ سب بھائی اسے بھی اپنے معمولات میں شامل فرما کر اس کی برکات سے مستفیض ہو سکیں۔ قبلہ حضرتؒ نے فرمایا۔

"اگر دل و دماغ کو دنیوی تفکرات سے پاک اور بے نیاز کر کے پورے دھیان سے نفی اثبات اور خاص کر پاس انفاس کی مشق مداومت کے ساتھ کی جائے تو ناممکن ہے کہ تین چار ماہ میں نتائج مطلوبہ پیدا نہ ہوں۔ آج اس خطبہ میں میں آپ کو پاس انفاس کے ذکر کے متعلق ایک اور نکتہ بیان کرتا ہوں۔ اگر اس نکتہ کو مد نظر رکھ کر ذکر کیا جائے تو اور بھی زیادہ فائدہ ہوگا اور برسوں کا کام چند ماہ میں ہو جائے گا۔ یہ نکتہ آج تاریخ تصوف میں پہلی مرتبہ بتایا جا رہا ہے اس سے پہلے کبھی کسی بزرگ نے نہیں بتایا۔ مجھ سے سوال کیا گیا کہ پاس انفاس کے متعلق قرآن پاک میں جو آیت ہے

واذکر ربک فی نفسک تضرعا وخیفه ودون الجهر من القول بالغدو والاصال ولا تکن من الغفلین ○ (الاعراف۔205)

"اور اپنے رب کو دل میں یاد کرو زاری اور ڈر سے، زبان سے اونچی آواز نکالے بغیر، صبح اور شام اور غافلوں میں سے نہ ہونا" اس کے پہلے الفاظ واذکر ربک فی نفسک کا مطلب ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ الفاظ کے لفظی معنی تو ہیں "اپنے رب کو اپنے نفس میں یاد کرو) لیکن نفس میں تو کوئی شے یاد نہیں کی جاتی۔ باتیں تو دل میں یاد کی جاتی ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بجائے "فی قلبک" کہنے کے "فی نفسک" کیوں کہا۔ اس میں کیا حکمت ہے؟ میں نے جواب دیا کہ نفس خواہشات کا گھر ہے۔ ہر خواہش بری ہو یا اچھی نفس ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً تمہارے سامنے دو چار گز کے فاصلے پر ایک خوبصورت پھول کھلا ہوا ہے۔ تمہارے دل میں اس کو توڑ کر پاس رکھنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ تم وہاں تک چل کر گئے اور پھول توڑ کر لے آئے۔ تم نے کبھی سوچا کہ تمہارے دل میں

خواہش پیدا ہونے سے پھول توڑ کر واپس آنے تک کیا عمل ہوا؟ حرکت پیدا ہوئی۔ تم گئے۔ پھول توڑا' واپس آئے۔ تمہاری خواہش کی تکمیل ہو گئی۔ اسی طرح ہر خواہش کو پورا کرنے کے لئے حرکت کا ہونا ضروری ہے اور حرکت ہی زندگی کا ثبوت بلکہ عین زندگی ہے۔ اس لئے اگر نفس نہ ہوتا تو خواہش نہ ہوتی۔ خواہش نہ ہوتی تو حرکت نہ ہوتی۔ حرکت نہ ہوتی تو دنیا میں کوئی چہل پہل' رونق اور زندگی کے آثار نہ ہوتے۔ اس لئے غور کیا جائے تو نفس اور خواہش مترادف الفاظ ہیں۔ یہ کلام ربانی کی انتہائی بلاغت ہے کہ یہ سارا قصہ بیان کرنے کے لئے قلب کی بجائے نفس کا لفظ لکھ دیا۔ اس طرح مطلب یہ نکلا کہ جب تم اللہ تبارک و تعالیٰ کا ذکر کرو تو تمہارے دل میں اس کے دیدار کی خواہش بھی ہونی ضروری ہے۔ یعنی جب تم "اللہ" کہو تو ساتھ ہی دل میں یہ بھی خواہش ہو کہ "اپنی لقاء سے مشرف فرما۔ مجھے نظر آجا۔ اپنا جمال جہاں آرا دکھادے"

تو میرے پیارے بھائیوں اور بیٹو! اگر تم اس خواہش اور تڑپ کے ساتھ پاس انفاس کرو تو صرف پانچ منٹ کا ذکر چوبیس گھنٹے کے ذکر سے کہیں افضل ہو گا اور جو کام برسوں میں ہوتا ہے انشاء اللہ چند ماہ میں ہو جائے گا۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ دن یا رات میں دس یا پندرہ منٹ ایسے مقرر کر لو جب کوئی تمہارے ذکر میں خلل انداز نہ ہو۔ اب دس منٹ برابر اسی طرح یہ ذکر کرو۔ ختم ہونے پر حضور نبی کریم ﷺ کی روح پاک پر درود بھیجو! پھر غور کرو کہ ذکر سے پہلے تمہاری کیا کیفیت تھی اور بعد کیا ہے"

سبحان اللہ! مرشد کامل ؒ نے تھوڑی سی محنت کر کے ڈھیر سارا فائدہ حاصل کرنے کا نسخہ کیمیا سب کے فائدے کے لئے کھول کر بیان کر دیا۔ لیکن مجھے معلوم ہے کہ بہت سے پرانے اور نئے بھائی بھی اس خصوصی ذکر سے فائدہ نہیں اٹھاپائے۔ اس لئے سب بھائیوں کی خدمت میں میری التماس ہے کہ اس ذکر کو بھی اپنے سلسلے کی تعلیم کا حصہ سمجھتے ہوئے اس پر مداومت فرمائیں تاکہ قرب الہی کا طویل سفر طے کرنے میں مزید آسانی ہو جائے۔ بلکہ یہ فقیر تو اس سلسلے میں اپنی طرف سے ایک گذارش کرنا چاہتا ہے وہ یہ کہ صرف چند منٹوں کی اضافی محنت سے جب اتنا عظیم الشان روحانی صلہ مل سکتا ہے تو کیوں نہ اس کے لئے صبح اور شام کے دو اوقات مقرر کر لئے جائیں۔ اس طرح جہاں اس کے فوائد دوگنا ہو جائیں گے وہاں محولہ بالا آیت مبارکہ میں دئے گئے حکم ربانی بالغدو والاصال کی لفظی تعمیل کی سعادت بھی حاصل ہو جائے گی۔

خواجہؒ کے خطوط

تدوین و ترتیب (خالد مسعود)

1۔ سب سے اچھی چیز

(بنام محمد مرتضیٰ صاحب 1962-8-31)

"خوشی ہوئی کہ آپ کو اچھا مکان مل گیا۔ اور بھی تمام اچھی اچھی چیزیں اللہ تعالیٰ آپ کو عطا فرمائے۔ جس میں سب سے اچھی چیز یہ ہے کہ آپ کو اپنی محبت کامل، عبدیت کامل کے ساتھ عطا فرمائے۔ آمین"

2۔ دوسرے حلقوں کی دعوت

(بنام عابد علی صاحب 1970-10-10)

"ہر حلقہ کو چاہئے کہ مہینے میں ایک مرتبہ دوسرے (مقامی یا قریبی) حلقوں کو دعوت دیا کریں۔ سب بھائی تو نہ جاسکیں گے ہر حلقہ سے دو دو آدمی کم از کم ضرور پہنچ جایا کریں۔ اس سے بڑی برکت ہو گی اور ترقی بھی"

3۔ سب سے اچھی لکھائی

(بنام غوث محمد 1951-1-25)

"بابا صاحب (بابا فضل دین صاحب، ماری پور کراچی والے) کی محبت کا جواب کس طرح دوں۔ بابا صاحب خود ہی سمجھ اور دیکھ سکتے ہیں کہ میرے دل میں ان کا درجہ کیا ہے۔ بابا صاحب سے کہنا کہ اگرچہ آپ کو لکھنا نہیں آتا مگر پھر بھی آپ سب سے اچھا لکھتے ہیں۔ کیونکہ آپ جو کچھ کہتے ہیں دل سے کہتے ہیں اس میں بناوٹ نہیں ہوتی"

4۔ اللہ اور مرشد کی خوشنودی

(بنام انصار حسین 1972-2-26)

"اگر کسی وجہ سے خط نہ لکھ سکے تو کوئی حرج نہیں۔ حلقہ اور حلقہ کی تعلیم سے محبت کریں اسی میں میری اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔ تمہاری بیعت فی سبیل اللہ قبول ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں

توفیق اور استقامت دے اور دلی مراد پوری کرے، دین و دنیا میں ترقی دے اور مقربین کے زمرے میں شامل کرے۔ آمین"

5۔ رسالپور میں چند گھنٹے

(بنام محمد صدیق ڈار صاحب 1966-8-29)

"رسالپور میں چند گھنٹے رہ کر دل بہت خوش ہوا۔ آپ نے بہت اچھا حلقہ بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو دین و دنیا دونوں کی نعمتوں سے نوازے۔ آمین میری طرف سے تمام اہلِ حلقہ کا شکریہ ادا کریں"

6۔ اللہ واسطے کا کام

(بنام محمد مرتضیٰ صاحب 1963-7-7)

"کراچی کے حلقہ کی ترقی کا حال پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ سب صاحبان کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ یہ محض اللہ واسطے کا کام ہے۔ میرا ذاتی کام نہیں ہے۔ اس کا اجر اللہ ہی دے گا"

7۔ موت کا خوف

(بنام محمد قاسم صاحب 1965-2-23)

"میں خط لکھتے میں جو رویا کرتا تھا وہ بھی مرنے کے خیال سے تو نہ تھا۔ اگر میں موت کے خیال سے روؤں تو لعنت ہے میری فقیری پر۔ میں تو آپ لوگوں کی محبت کو یاد کر کے رویا تھا۔ اس لئے آپ ایسے خیالات کو دل سے نکال دیں اور خوش رہا کریں۔ قبل از مرگ واویلا اسی کو کہتے ہیں"

8۔ ہوم گورنمنٹ اور شریر بچہ

(بنام محمد قاسم صاحب 1964-6-1)

"اچھا ہوا کہ پندرہ دن کی سیر کی۔ صحت اچھی ہو گئی ہو گی۔ میرے خیال میں ساری عمر میں یہ آپ کی پہلی چھٹی تھی۔ ہوم گورنمنٹ (یعنی بیوی) ناراض تو نہیں ہوئی۔ اگر ناراض ہوئی ہو تو لکھیں میں اس پر ناراض ہونگا۔ اپنی والدہ صاحبہ کو سلام مسنون اور دعا کہہ دیں اور بچوں کو پیار کر دیں۔ جو سب سے شریر ہو اس کو سب سے زیادہ پیار کریں"

اللہ میاں کی کل / اللہ میاں کی کچہری

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے چند مزید روحانی مشاہدات قارئین کی دلچسپی کی خاطر پیش کئے جاتے ہیں آپؒ نے فرمایا۔

اللہ میاں کی کل

"ایک مرتبہ میں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسی چیز دکھائیں جو آج تک کسی ولی اللہ نے نہ دیکھی ہو۔ چند دنوں کے بعد مراقبہ میں میں نے دیکھا کہ مشرق سے مغرب تک فضا میں ایک بہت بڑی سکرین تنی ہوئی ہے اور اس کے اوپر داہنے کونے میں ایک بہت بڑا لفظ "کل" لکھا ہوا ہے۔ کل مشین کو کہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ کیا ہے؟ تو جواب آیا کہ یہ اللہ میاں کی کل ہے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کل کیا کام کرتی ہے تو آواز آئی کہ اس لفظ "کل" کو ذرا غور سے دیکھو۔ میں نے اس پر نظر جما دی تو دیکھا کہ اس میں ارتعاش پیدا ہو گیا ہے اور اس میں سے چھوٹے چھوٹے کل کل کل کل .... کے الفاظ بڑی تیزی سے نکل کر دائیں بائیں جانب پرواز کرتے ہوئے چلے جا رہے ہیں پھر ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور کبوتروں کی طرح غول کے غول چھوٹے چھوٹے کل اس بڑے کل سے نکل کر بڑی تیزی سے سکرین پر چلے جا رہے ہیں۔ پھر میں نے دیکھا کہ وہ پوری سکرین کا چکر لگا کر داہنی طرف کے نیچے والے کونے سے مڑ کر اوپر آنے لگے اور اس بڑے کل میں داخل ہو گئے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیا چیز ہے تو جواب ملا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک حیرت انگیز نظام ہے۔ دنیا میں کوئی بھی انسان جب کوئی بات کرنا چاہتا ہے تو اس کے الفاظ یہاں سے چلتے ہیں اور اس آدمی کے دماغ میں داخل ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ انسان ان الفاظ کو اپنی زبان سے ادا کرتا ہے تو وہاں سے پرواز کر کے دوبارہ اس کل میں آ کر مل جاتے ہیں۔ سبحان اللہ اللہ ہی جانتا ہے کہ اس کائنات میں اس نے کیا کیا بنا رکھا ہے اور کیسے کیسے سسٹم کام کر رہے ہیں واقعی یہ کل بھی عجیب ہی چیز تھی۔ ہم نے اس کے بارے میں نہ کہیں پڑھا تھا نہ کسی بزرگ سے سنا تھا۔ ایک مرتبہ فوت شدہ بزرگوں کی ایک مجلس تھی جس میں موجودہ دور کے بھی چند لوگ حاضر تھے۔ سب لوگ اپنے اپنے مشاہدات

بیان کر رہے تھے۔ میں نے کہا کہ میں نے ایک ایسی چیز کا مشاہدہ کیا ہے جو آپ میں سے کسی نے بھی نہیں دیکھی۔ سب لوگ حیرت سے میری طرف متوجہ ہو گئے اور پوچھا کہ آپ نے کیا دیکھا؟ میں نے بتایا کہ میں نے اللہ میاں کی کل دیکھی ہے اور وہ اس طرح کام کرتی ہے۔ اس پر سب بول اٹھے کہ اچھا یہ ہے اللہ میاں کی کل۔ ہمیں بھی نظر آ گئی ہے اور ہم نے اس سے پہلے نہ دیکھی تھی۔ میں نے بعد میں اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہوئی کہ آپ نے اپنی کل سبھی کو دکھا دی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ سب صاحبان بصیرت تھے۔ آپ نے جوں ہی اس کی تفصیل بیان کی انہوں نے بھی دیکھ لی۔ آپ نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ میرے بعد بھی کوئی نہ دیکھے۔ آپ سے پہلے کسی نے نہ دیکھی تھی"

اللہ میاں کی کچہری

"ایک مرتبہ ہم نے دیکھا کہ ایک بہت بڑی عمارت ہے اور وہاں لوگوں کا ہجوم ہے۔ میں نے ایک آدمی سے پوچھا کہ اسقدر لوگ یہاں کیوں جمع ہیں۔ اس نے بتایا کہ یہ اللہ میاں کی کچہری ہے۔ میں نے پوچھا کہ کیا اللہ میاں یہاں تشریف فرما ہیں؟ تو جواب ملا وہ کچہری لگائے ہوئے ہیں۔ یہ سن کر مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ چلو آج تو کام بن گیا آج اللہ میاں سے ملاقات ہو جائے گی۔ چنانچہ میں بھی اس عمارت میں داخل ہو گیا۔ ایک راہداری میں ایک سرکاری ملازم سے پوچھا کہ اللہ میاں کہاں بیٹھے ہیں۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ سیدھے چلے جائیں اور اگلے موڑ پر بائیں طرف گھوم جائیں تو بالکل سامنے والے دفتر میں اللہ میاں تشریف فرما ہیں۔ میں اسی طرح چلتا گیا اور مطلوبہ دفتر کے دروازہ پر جا کر آہستہ سے دستک دی۔ اندر سے انگریزی میں جواب ملا "COME IN" یعنی آ جاؤ۔ میں اندر داخل ہو گیا۔ دیکھا کہ سامنے ایک بہت بڑی میز پڑی ہے۔ اس کے پیچھے والی مرکزی کرسی تو خالی تھی لیکن میز کی ایک طرف کرسی پر میرے دوست اور مرشد حضرت رسالدار محمد حنیف خاںؒ بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے انہیں سلام کیا اور حیرت سے پوچھا کہ آپ یہاں بیٹھے ہیں کیا یہ اللہ میاں کی کچہری نہیں ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ اللہ میاں کی ہی کچہری ہے۔ میں نے پوچھا کہ اللہ میاں کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا وہ ادھر ہی ہیں۔ بہر حال مجھے تو وہاں کوئی اور دکھائی نہ دیا۔ اور جو دکھائی دیا میں اسے اپنا خدا ماننے کو تیار نہ تھا کیونکہ حضرت رسالدار صاحبؒ نے ہی یہ بات بڑی پختگی سے میرے ذہن میں ڈال رکھی تھی کہ اس بے صورت بے رنگ ذات کو کسی بھی صورت اور رنگ میں قبول نہ کرنا"

اسلامی تصوف کے حقائق

(بانی سلسلہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

تصوف کیا ہے؟

یہ ایک علم ہے جس کا موضوع و مقصد ہے ذات باری تعالیٰ کی معرفت و حقیقت۔ صوفیائے کرام اور اولیائے عظام نے تصوف کی جو تعریفیں کی ہیں وہ مشتمل ہیں تین باتوں پر۔

۱۔ تصوف کا مقصد وحید اخلاق حسنہ میں کمال پیدا کرنا ہے۔

۲۔ تصوف کا موضوع و مقصد اللہ کی معرفت حاصل کرنا۔

۳۔ تصوف علم حقائق کا نام ہے۔ یعنی کائنات و ماورائے کائنات جو کچھ بھی موجود ہے اس کی حقیقت معلوم کرنا۔ اس میں صرف مادی اشیاء ہی کا نہیں بلکہ ماورائے سریات کا علم بھی شامل ہے۔ مثلاً" فرشتے' دوزخ' جنت' قیامت' حیات بعد الموت اور خود ذات اقدس باری تعالیٰ

ان تینوں تعریفوں میں صرف دوسری تعریف صحیح ہے۔ پہلی تعریف اس لئے درست نہیں کہ تزکیہ اخلاق بذاتہ تصوف کا مقصد نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو چند متعدد ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے مقصد و موضوع تک پہنچنے کا۔ حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ۔

''تصوف اور دوسرے علوم میں یہ فرق ہے کہ اور علوم تو پہلے حاصل کئے جاتے ہیں پھران پر عمل کیا جاتا ہے لیکن تصوف میں اس کے برعکس پہلے کچھ عمل کرنے پڑتے ہیں پھر علم حاصل ہوتا ہے"

تو انہی اعمال میں سے ایک تزکیہ اخلاق بھی ہے۔ مطلب یہ کہ اگر تزکیہ نہ کیا جائے تو سالک اپنے مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ یعنی اس کو کسی صورت میں بھی معرفت باری تعالیٰ حاصل نہیں ہو سکتی۔

تیسری تعریف اس لئے غلط ہے کہ مادی اشیاء کی حقیقت معلوم کرنا بھی تصوف کا موضوع و مقصد نہیں ہے۔ یہ چیز بھی معرفت باری تعالیٰ حاصل ہونے پر خود بخود حاصل ہو جاتی ہے۔ تمام صوفیائے کرام کا قول ہے کہ جس کو معرفت باری تعالیٰ حاصل ہو گئی اس کو معرفت الاشیاء بدرجہ اولیٰ حاصل ہو جاتی ہے۔

تصوف کا مفہوم حاضرہ

یہ تو تھی تصوف کی تعریف اور اس کی اصلیت۔ لیکن آج کل دنیا تصوف کو جو کچھ سمجھتی ہے وہ کچھ اور ہی چیز ہے۔ اس امر میں کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ بات سننے کی بہ نسبت دیکھنے سے زیادہ اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے۔ چنانچہ بڑے بڑے شہروں سے لے کر چھوٹے چھوٹے دیہات تک آپ کو ہر جگہ کچھ آدمی ایسے نظر آئیں گے جن کو لوگ صوفی یا خدا رسیدہ سمجھتے ہیں۔ ان میں سے اکثر مادر زاد

لگے رہتے ہیں۔ بھنگ پیتے یا چرس کے دم لگاتے ہیں۔ نماز روزے کے پاس بھی نہیں جاتے۔ یہ ہیں مسلمانوں کے پیشوا اور رہادی جن کو نہ دین کا پتہ ہے نہ دنیا کا۔ نہ حرام کو جانتے ہیں نہ حلال کو۔ اب ایک طرف تو اسلام ہے جو طہارت و پاکیزگی کو انسان کا فرض اولین بتاتا ہے اور اس کے بغیر نماز کو بھی جائز قرار نہیں دیتا اور دوسری طرف وہ مسلمان ہیں جو غلاظت و گندگی کے ان مجسموں کو بزرگ اور ولی اللہ مانتے ہیں سوچنے کی بات ہے کہ جس قوم کے ولی اور رہادی ایسے ہوں اس کو دوسری قومیں کیا سمجھتی ہوں گی۔ لوگ ان کو مجذوب سمجھ کر ان کی عزت و خدمت کرتے ہیں۔ لیکن یہ مجذوب نہیں پاگل ہوتے ہیں۔ اصطلاح تصوف میں مجذوب وہ ہے جس پر اللہ کی محبت یا کسی جلالی صفت کا اس قدر غلبہ ہو کہ ہوا س ظاہر مغلوب ہو کر استغراق کی کیفیت پیدا ہو جائے۔

لیکن یاد رکھئے کہ یہ غلبہ کبھی مستقل نہیں ہمیشہ عارضی ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض آدمیوں پر جذب و استغراق کی کیفیت کئی کئی سال طاری رہتی ہے۔ لیکن اس حال میں بھی ان سے کوئی خلاف شرع قول یا فعل کبھی سرزد نہیں ہوتا۔ عام طور پر نماز کے وقت ان کا استغراق جاتا رہتا ہے یا اتنا کم ہو جاتا ہے کہ پنجگانہ نماز ادا کر لیتے ہیں۔ روزے بھی رکھتے ہیں اور پاک صاف بھی رہتے ہیں۔ کچھ مدت بعد یہ بالکل ہوش میں آجاتے ہیں۔ جذب و استغراق کا نام بھی نہیں رہتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ ؒ کا قول ہے کہ "رسول اللہ کی امت میں سب سے پہلے مجذوب حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہ تھے۔ اب آپ خود فیصلہ کر لیں کہ کہاں تصوف کا جذب پاکیزہ اور کہاں ان لوگوں کا پاگل پن۔ سوال یہ ہے کہ اگر یہ پاگل ہیں تو ان سے کشف و کرامات کیوں سرزد ہوتی ہیں جن کی وجہ سے دنیا ان کو بزرگ مانتی ہے۔ اس بات کا جواب میں پچھلے سال کے خطبہ میں بہت وضاحت سے دے چکا ہوں اور خوارق عادات کی نفسیاتی وجوہات اچھی طرح سمجھا کر یہ بتا چکا ہوں کہ خوارق عادات پاگلوں سے کیوں ظہور میں آتے ہیں۔ یہاں ان کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگ ہیں جن کو دنیا بزرگ جانتی ہے۔ مثلاً نجومی' رمال' پامسٹ' مسمرائزر' ہپناٹسٹ' عامل اور ملنگ وغیرہ

تو یاد رکھئے ان میں سے کوئی بھی صوفی یا ولی نہیں ہوتا۔ یہ تو سرے سے تصوف کے طالب علم ہی نہیں ہوتے اور ان کا مقصود اللہ یا اس کا عرفان ہرگز نہیں ہوتا۔ صرف دنیا کمانا ہوتا ہے۔ یہ تو رہے ایک طرف آپ یہ سن کر حیران رہ جائیں گے کہ متقدمین میں بھی بہت سے بزرگ جنہوں نے تصوف پر بڑی بڑی کتابیں لکھی ہیں اور جن کو دنیا ان کتابوں کی بناء پر بہت بڑا صوفی سمجھتی ہے۔ کامل صوفی نہ تھے' متصوف تھے۔

حضرت علی ہجویری ؒ نے بزرگوں کی تین قسمیں لکھی ہیں۔

1۔ صوفی! وہ ہے جو مکمل سلوک طے کر کے درجہ کمال تک پہنچ جائے۔ یعنی اس کو خدا کا عرفان حاصل ہو جائے۔

2۔ متصوف! وہ ہے جس نے مکمل طور پر سلوک طے نہ کیا ہو۔ آدھا تہائی کیا ہو لیکن عالم و فاضل ہو اور تصوف پر بڑی بڑی کتابیں پڑھ کر ان کوائف اور آخری منازل و مقامات سے واقف ہو جائے جہاں تک وہ خود نہیں پہنچا اور جن کا علم خود اس کو ذاتی طور پر حاصل نہیں ہوا۔ صرف کتابی علم رکھتا ہے۔

3۔ مستصوف! وہ ہے جس نے نہ عملی طور پر سلوک طے کیا نہ تصوف پر کوئی مستند کتاب پڑھی۔ بس فقیروں کا سا حلیہ بنا لیا اور ادھر ادھر کی سنی سنائی باتیں بنانے اور جہلا کو بہکانے لگا۔

یہ جو دنیا میں ہزاروں پیر فقیر نظر آتے ہیں اگر آپ مندرجہ بالا تعریفوں کی روشنی میں ان کو پرکھیں تب بھی شاید ہی معلوم ہو سکے کہ ان میں سے کون کامل اور سچا صوفی ہے کون ناقص ہے اور کون بالکل جھوٹا اور مکار ہے حقیقتاً" یہ جنس اتنی سستی اور یہ کام اتنا آسان نہیں کہ جس کا دل چاہے سال دو سال ذکر وغیرہ کر کے سچا ولی اور کامل صوفی بن جائے۔ لاکھوں آدمی جو اس خیال سے اللہ شروع کرتے ہیں۔ ان میں سے دو چار ہی آخری منزل تک پہنچتے ہیں۔ ورنہ راستہ ہی میں رک جاتے ہیں۔ آپ کو پوچھنا چاہئے کہ جب حال یہ ہے تو پھر ایک کامل صوفی، ایک متصوف اور ایک مستصوف کی خاص پہچان کیا ہے؟

تو سنئے ایک کامل صوفی کی پہچان یہ ہے کہ اس میں کشف و کرامات کی طاقت اور روحانی قوت بھی ہوتی ہے اور ساتھ ہی اس کا اخلاق، اخلاق محمد ﷺ کا نمونہ ہوتا ہے۔ وہ شریعت کا سختی سے پابند ہوتا ہے اور اس کے عقائد بالکل قرآن اور حدیث کے مطابق ہوتے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ اس کے پاس بدترین گناہگار بھی اصلاح کے لئے آئیں اور اس کی تعلیم و ہدایات پر عمل کریں تو نیک پارسا اور متقی بن جاتے ہیں۔ مگر بڑی دقت یہ ہے کہ اس طرح ایک کامل صوفی اور ایک جعل ساز مستصوف کا فرق تو معلوم ہو سکتا ہے لیکن ایک کامل صوفی اور متصوف میں تمیز کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ذات باری تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے دو عوالم کا سلوک طے کرنا پڑتا ہے۔ پہلے عالم خلق کا اور پھر عالم امر کا۔ عالم خلق کی ابتداء ناسوت اور انتہا ھو ہے اور عالم امر کی ابتدا عدم اور انتہا ذات باری تعالیٰ ہے جو سالک ذات باری تعالیٰ تک پہنچ جاتا ہے اور اس کا عرفان حاصل کر لیتا ہے وہ کامل کہلاتا ہے اور جو نیچے کسی مقام تک رہ جاتا ہے وہ خواہ کتنا ہی بڑا بزرگ ہو بہر حال ناقص ہی سمجھا جاتا ہے تو متصوفین میں سے کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو عالم خلق کے آخری مقام ھو تک پہنچ جاتے ہیں لیکن آگے نہیں جا

سکتے۔ ان کو عالم خلق کا تو خوب علم ہو جاتا ہے لیکن عالم امر کا ذاتی علم بالکل نہیں ہوتا یہ علم وہ دوسرے بزرگوں کی کتابوں سے حاصل کرتے ہیں اور جو کچھ سمجھ میں آتا ہے (حالانکہ غلط سمجھتے ہیں) اسی کو صحیح سمجھ کر وعظ و نصیحت میں بیان کرتے اور خود اپنی کتابوں میں لکھ دیتے ہیں۔ یہ سلسلہ نسلاً بعد نسلاً یونہی جاری رہتا ہے اور جتنا آگے بڑھتا ہے غلطیاں اور غلط فہمیاں اور زیادہ ہوتی جاتی ہیں حتیٰ کہ اغلاط کا یہ طومار جب غیر صوفی عوام تک پہنچتا ہے تو کچھ کا کچھ بن جاتا ہے یہی سبب ہے کہ بعض مانے ہوئے بزرگوں کی کتابوں میں ایسے اقوال ملتے ہیں جو شریعت کے خلاف ہوتے ہیں۔

لہٰذا ایسے اقوال کو ہرگز نہیں ماننا چاہئے۔ مگر ساتھ ہی نہ تو ان بزرگوں کو برا کہنا چاہئے نہ ان کی بزرگی کے متعلق کوئی بدگمانی کرنی چاہئے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ عالم امر میں صور و اشکال کا ادراک بالکل ختم ہو جاتا ہے اس لئے وہاں کا حال کوئی سالک بیان کرنا چاہے تو بھی نہیں کر سکتا اور اگر کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کے الفاظ سے کفر ٹپکنے لگتا ہے۔ اور صحیح مطلب چونکہ لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا اس لئے وہ سمجھتے ہیں کہ یہ کفر بک رہا ہے۔

الغرض! ایک سچے صوفی کی شناخت یہ ہے کہ کشف و کرامات اور بے پناہ روحانی طاقت کے باوجود اس کا کوئی قول اور فعل شریعت کے خلاف نہیں ہوتا۔ میرے خیال میں اب آپ اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے کہ سچا تصوف کیا ہے اور جس کو عام لوگ تصوف سمجھتے ہیں وہ کیا چیز ہے۔ اب اسی سچے تصوف کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم کو یہ بتانا ہے کہ تصوف کا انسانی زندگی پر کیا اثر پڑتا ہے۔

تصوف کا انسانی زندگی پر اثر

اس موضوع پر قلم اٹھانے سے پہلے یہ معلوم ہو جانا چاہئے کہ یہاں انسانی زندگی سے کیا مراد ہے۔ اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ انسانی زندگی کی اصل حقیقت کیا ہے۔ یہ کہاں سے آتی ہے، کہاں جاتی ہے۔ ازلی و ابدی ہے یا حادث و فانی وغیرہ وغیرہ

دوسرا مطلب ہو سکتا ہے۔ انسان کی روزمرہ زندگی جو ہم دنیا میں بسر کرتے ہیں تو گزارش یہ ہے کہ اگرچہ انسانی زندگی کے ماورائی پہلو پر بھی بہت کچھ کہا اور بتایا جا سکتا ہے لیکن یہ بات ہمارے موضوع بحث سے خارج ہے۔ لہٰذا جو کچھ کہا جائے گا وہ انسان کی روزمرہ زندگی کی بابت ہوگا۔ یہ موضوع بھی بہت وسیع اور مشکل ہے۔ لیکن میں کوشش کروں گا کہ جو کچھ کہوں باوجود انتہائی اختصار کے زیادہ سے زیادہ واضح ہو۔

اب میں خود ہی ایک سوال کرتا ہوں اور خود ہی اس کا جواب دیتا ہوں۔ سوال یہ ہے کہ تصوف ہم کو کیا دیتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ تصوف ہم کو دنیا و دین کی ایسی بے شمار اور نایاب نعمتیں دیتا ہے جن کا احاطہ

تحریر و تقریر میں نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے میں اختصار کے خیال سے صرف چند چیزوں کے بیان پر اکتفا کروں گا۔ وہ چیزیں یہ ہیں

۱۔ علم باطن ۲۔ روحانی طاقت ۳۔ عقل سلیم ۴۔ قلب سلیم

اب ان میں سے ہر ایک کا تھوڑا تھوڑا سا حال سنئے

علم باطن

علم باطن یا علم سریات ان چیزوں اور طاقتوں کا علم ہے جو حواس ظاہر سے معلوم و محقق نہیں ہو سکتیں۔ ان میں وہ چیزیں خاص طور پر شامل ہے جن پر بن دیکھے ایمان لانا آسمانی مذاہب کی اساس و بنیاد ہے۔ مثلاً خدا، فرشتے، آسمانی کتابیں، رسول، قیامت، حقیقت خیر و شر، حیات بعد الموت اور جنت دوزخ وغیرہ۔

اس علم سے خدا پر ایمان اور دوسری زندگی میں جزا و سزائے اعمال پر یقین اس قدر مستحکم ہو جاتا ہے کہ بال برابر بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ لہٰذا ایسے آدمی سے دنیوی زندگی میں کوئی گناہ یا لغزش نہیں ہوتی۔ وہ ہمیشہ صراط المستقیم پر چلتا رہتا ہے۔

یقین تین طرح کا ہوتا ہے

(۱) علم الیقین (۲) عین الیقین (۳) حق الیقین

علم الیقین وہ یقین ہے جو معتبر اور متواتر خبروں یا شہادتوں سے حاصل ہو۔ جیسے کہ خدا۔ قیامت اور حیات بعد الموت کا یقین۔ جو پیغمبروں جیسے سچے اور معتبر گواہوں کے بیان سے پیدا ہوتا ہے

عین الیقین وہ ہے جو کسی چیز کو خود آنکھوں سے دیکھ کر حاصل ہو۔ لیکن اس میں بھی یہ ہوتا ہے کہ انسان کو ایک چیز نظر آتی ہے لیکن وہ اس کی حقیقت سے واقف نہیں ہوتا۔

حق الیقین یہ ہے کہ انسان جن چیزوں کو جانتا اور دیکھتا ہے ان کی حقیقت سے بھی واقف ہو جاتا ہے۔ حق الیقین کے معنی ہی "حق یا حقیقت کا یقین" ہیں آپ جانتے ہیں کہ جو لوگ کسی دنیوی علم میں کمال حاصل کر لیتے ہیں مثلاً ڈاکٹر، فلاسفر اور سائنسدان وہ کس قدر دانشور اور عظیم المرتبت ہوتے ہیں۔ بس اسی پر قیاس کر لیجئے کہ جو نفوس قدسی علم باطن میں کمال حاصل کر لیں ان کے مرتبے کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔

اسی باطنی علم میں کشف الغیوب بھی ہے۔ ان بزرگوں کو یہ بھی بدرجہ اولیٰ میسر ہوتا ہے۔ وہ کسی آدمی کا گذشتہ یا آئندہ حال معلوم کرنا چاہیں تو سب کچھ معلوم ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ باتیں بھی جو خود اس آدمی کو بھی یاد نہیں رہیں۔ قرآن میں ہے کہ "ایک ذرہ برابر خیر و شر بھی جو تم کرتے ہو لکھ لیا جاتا ہے اور

قیامت کے دن تمہارے سب اقوال و اعمال تم کو دکھائے جائیں گے" کچھ مدت پہلے عوام کو اس بات کا یقین نہیں آتا تھا لیکن سائنس کی تحقیق ہے کہ دنیا میں ایک مرتبہ جو حرکت یا آواز پیدا ہوتی ہے وہ فضا میں محفوظ ہو جاتی ہے۔ کبھی بھی فنا نہیں ہوتی۔ اس سے قرآن کی صداقت کا اندازہ کر لیجئے ہاں تو اہلِ تصوف کو وہ بصیرت و بصارت مل جاتی ہے کہ جس آدمی یا جس واقعہ کا گذشتہ حال معلوم کرنا چاہیں اس کا یہ اتھری ریکارڈ دیکھ کر معلوم کر سکتے ہیں۔ سائنس ابھی تک یہ دریافت نہیں کر سکا کہ جو واقعات آئندہ پیش آنے والے ہیں وہ کہاں سے آتے ہیں اور ان کا ماخذ کیا ہے۔ لیکن ایک صوفی کامل کو یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے۔ اس کو خود اپنی تقدیر کا حال بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس پر فلاں فلاں مصیبتیں آئیں گی اور فلاں فلاں نعمتیں ملیں گی۔ لیکن وہ نہ مصیبتوں سے پریشان ہوتا ہے نہ نعمتوں پر فخر و غرور کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اللہ کی مرضی ہی یوں ہے۔ یہ سب کچھ یونہی ہو کر رہے گا۔ اس لئے وہ تسلیم و رضا کے مسلک پر ثابت قدم ہو جاتا ہے اور اللہ کے اس حکم پر پوری طرح عمل کرتا ہے کہ "اگر تمہاری کوئی چیز تم سے چھن جائے تو اس کا افسوس نہ کرو۔ اور اگر تم کو کچھ (نعمت) مل جائے تو اس پر ناز مت کرو" اس طرح اس کو استغنائے کامل حاصل ہو جاتا ہے اور دائمی اطمینان قلب کی وہ دولت میسر آ جاتی ہے جو دنیا کے کسی علم سے بھی بدرجہ کمال میسر نہیں آ سکتی۔

آپ شاید خیال کریں کہ جب ایک صوفی کامل آئندہ کا حال معلوم کر لیتا ہے تو وہ آنے والی مصیبتوں کا قبل از وقت مداوا بھی کر لیتا ہو گا۔ یہ خیال غلط ہے اگر وہ کبھی ایسی کوشش کرتا بھی ہے تو اپنے آپ کو مجبور محض اور عاجز پاتا ہے اور خدا کی قدرت و عظمت کا اور بھی زیادہ معترف ہو جاتا ہے وہ تقدیر کو خود نہیں بدل سکتا۔ ہاں اس کے بدلنے کی دعا کر سکتا ہے اور اللہ اس کی خاطر کبھی کبھی تقدیریں بدل بھی دیتا ہے۔

دراصل کشف کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اولیائے کرام کو تمام کائنات کے ذرے ذرے کا حال ہر وقت معلوم رہتا ہے۔ جیسا کہ جاہل لوگ سمجھتے ہیں۔ نہیں ہرگز نہیں۔ کشف میں تو صرف وہی حال معلوم ہوتا ہے جو کوئی بزرگ جاننا چاہے یا خود اللہ تعالیٰ کسی مصلحت سے اس کو بتانا چاہے۔ باقی باتوں کے متعلق وہ بھی ایسے ہی اندھیرے میں رہتا ہے جیسے کہ عام آدمی۔

الغرض! یہ ہیں عالم باطن کی برکتیں اور ان کا اثر جو ایک صوفی کی زندگی پر پڑتا ہے اور جو اس کو دوسرے عوام و خواص سے ممتاز و افضل بنا دیتا ہے۔

روحانی طاقت

دنیا میں طاقت سب سے بڑی نعمت اور کمزوری سب سے بڑی لعنت ہے۔ طاقت دو قسم کی ہوتی ہے

مادی اور روحانی۔ مادی طاقت مشتمل ہے جسمانی، علمی، عقلی اور دولت کی طاقتوں پر۔ اس وقت دنیا میں جو چہل پہل اور ترقی نظر آتی ہے وہ سب انہی چار طاقتوں کی مشترکہ مساعی کی وجہ سے ہے۔ مادی طاقت کے کرشمے آنکھوں سے نظر آتے ہیں اس لئے اس کو سب جانتے ہیں۔ لیکن روحانی طاقت کا اظہار کرامات و خوارق کی شکل میں ہوتا ہے۔ اس لئے بہت سے لوگ اس کو نہیں مانتے۔

افسوس یہ ہے کہ جب ہم اولیاء اور صوفیاء کی کرامات کا ذکر کرتے ہیں تو یہ لوگ ناک بھوں چڑھاتے اور مذاق اڑاتے ہیں۔ لیکن جب ہم مسمریزم اور ہپناٹزم کا حوالہ دیتے ہیں تو اس کو مان لیتے ہیں۔ جب مسمریزم اور ہپناٹزم سے بیماریوں کے علاج کا ذکر آتا ہے یا یورپ و امریکہ کی روحانی مجلسوں میں روحوں کو بلانے اور ان سے کام لینے کے قصے بیان کئے جاتے ہیں تو تسلیم کر لیتے ہیں لیکن جب حاضرات اور عملیات یا دم وغیرہ کے ذریعے امراض کے علاج کا حال کہا جاتا ہے تو ہنسی اڑاتے ہیں۔ یہ سب ہٹ دھرمی نہیں تو کیا ہے۔

معمولی روحانی کرشمے تو ہمارے فقیر اور عامل دن رات دکھاتے رہتے ہیں لیکن کامل بزرگوں کی کرامات کچھ اور چیز ہے۔ روحانی طاقت سے کیا کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس کے ذریعہ سے مہلک بیماریوں کا علاج ہو سکتا ہے جیسے کہ ہپناٹزم سے ہوتا ہے۔ ہمارے کاملین اپنی قوت خیال کا اثر ڈال کر لوگوں کو ایسے نظارے دکھا سکتے ہیں جن کا وجود ہی نہیں ہوتا (یہ چیز سیمیا کہلاتی ہے) ہزاروں میل کے فاصلہ پر روحانی پیغام بھیج کر اپنے کسی معتقد سے اس پر عمل کرا سکتے ہیں (یہ ٹیلی پیتھی کہلاتی ہے) موجود چیزوں کو ناظرین کی نظر سے غائب کر دیتے ہیں حالانکہ وہ وہیں ہوتی ہیں۔ خود بھی اسی طرح غائب ہو جاتے ہیں۔ اپنے گھر بیٹھے بیٹھے ہزاروں میل کے فاصلہ پر دوستوں سے جسمانی ملاقات کر لیتے ہیں۔ چشم زدن میں ایک مقام سے ہزاروں میل دور معہ جسم کے پہنچ جاتے ہیں۔ آگ پر چل سکتے ہیں۔ ہوا میں اڑ سکتے ہیں۔ پانی پر دوڑ سکتے ہیں۔ مادے کے پار گذر جاتے ہیں۔ برسوں زمین میں دفن رہنے کے بعد زندہ نکل آتے ہیں۔ مٹی کو ہاتھ لگا کر سونا بنا دیتے ہیں۔ مردہ سے زندہ کر سکتے ہیں۔ دوزخ اور جنت میں پہنچ کر وہاں کی سیر کر آتے ہیں بلکہ عرش تک پہنچ جاتے ہیں۔

الغرض! روحانی طاقت سے کیا کچھ نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ جو لوگ واقعی کامل ہوتے ہیں ان میں اگرچہ یہ سب کچھ کرنے کی طاقت موجود ہوتی ہے۔ لیکن وہ ان سب باتوں کو تضیع اوقات اور حرکات طفلانہ سمجھ کر کچھ بھی نہیں کرتے۔ ہاں اگر اللہ کا حکم ہو تو پھر سب کچھ کر گزرتے ہیں۔ آپ کو پوچھنا چاہئے کہ کامل صوفیوں کے علاوہ اور لوگ جو خوارق دکھاتے ہیں تو کیا وہ اللہ کے حکم کے بغیر خود اپنی مرضی اور اختیار سے ہی ایسا کرتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ ان لوگوں کی روحانی طاقت بہت

معمولی قسم کی ہوتی ہے جو چند قسم کی مقررہ پریکٹسوں سے حاصل ہو جاتی ہے اس کو حاصل کر لینے کے بعد وہ مختار ہیں کہ جب چاہیں دکھائیں۔ ان لوگوں کا مقصد ذاتی نفع نام نمود اور شہرت ہوتی ہے وہ جو کچھ کرتے ہیں بطور پیشے اور فن کے اپنے ذاتی فائدے کے لئے کرتے ہیں۔ محض خدا کے لئے نہیں کرتے۔ صوفیائے عظام بھی اپنی مرضی سے جب چاہیں کرامت دکھا سکتے ہیں۔ لیکن ان کو مشیت الٰہی کا پتہ ہوتا ہے اور جہاں مشیت ایزدی ان کی خواہش کے خلاف ہوتی ہے وہاں یا تو وہ کرامت دکھانے کا ارادہ ہی ترک کر دیتے ہیں یا خدا سے اذن طلب کرتے ہیں۔

اللہ چاہتا ہے تو ان کی خاطر اپنی مشیت کو بدل دیتا ہے اور وہ کرامت دکھا دیتے ہیں ورنہ نہیں دکھاتے۔ ابتدائے سلوک ہی سے صوفیائے کرام کا مقصود اللہ تک رسائی ہوتا ہے کرامتوں کی قوت پیدا کرنا نہیں ہوتا۔ یہ ساری طاقتیں تو ان کو سلوک طے کرتے ہوئے خود بخود مل جاتی ہیں اس لئے ان کے دل میں ان کی کوئی قدر بھی نہیں ہوتی۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب وہ طاقتیں ان میں پیدا ہو جاتی ہیں تو اگر وہ ان کے کرشمے دیکھنے دکھانے ہی میں لگ جائیں تو اللہ تک نہیں پہنچ سکتے۔ اور جب وہ اللہ تک پہنچ جاتے ہیں تو پھر یہی طاقتیں اور کرامات ان کو بچوں کا کھیل نظر آتی ہیں۔ ان کو تو وہ کچھ ملتا ہے جس کے مقابلہ میں یہ چیزیں اتنی بھی وقعت نہیں رکھتیں جتنی ایک گھاس کا تنکا۔

اس میں شک نہیں کہ اولیائے کرام کی توجہ اور دعا سے لوگوں کو ہر طرح کے فائدے پہنچتے اور بہت سے بگڑے ہوئے کام بن جاتے ہیں۔ لیکن یہ بزرگ ان انفرادی فوائد کی طرف زیادہ توجہ نہیں دیتے۔ اصل کام جو وہ اس طاقت سے لیتے ہیں وہ تو اجتماعی اصلاح ہے اور صحیح معنوں میں بنی نوع انسان کی سب سے بڑی خدمت یہی ہے تمام پیغمبر بھی اسی غرض سے بھیجے گئے تھے۔ انفرادی طور پر لوگوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے نہیں بھیجے گئے۔ ہمارے آقائے محترم رسول اکرم ﷺ جب تشریف لائے تو سارا عرب جہالت جدال و قتال اور مفلسی کے گھنگھور طوفانوں میں گھرا ہوا تھا۔ مگر حضور ﷺ نے ان کا افلاس دور کرنے کے لئے نہ تو پارس پتھری دی۔ نہ کیمیا کا نسخہ بتایا۔ نہ دست غیب کا عمل سکھایا (ہاں کبھی کبھی کاروباری مشورے ضرور دیئے) بلکہ اجتماعی طور پر سارے ملک کی اصلاح کے لئے اہل عرب کو خدا اور اس کے قانون سے روشناس کرایا۔ اور عمر بھر ناقابل بیان تکلیفیں اٹھا کر منوا دیا کہ ہاں خدا موجود ہے اور اس کا قانون سچا ہے اور جب انہوں نے اس قانون پر عمل درآمد شروع کر دیا تو ساری دنیا نے دیکھا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں سارے عرب کی کایا پلٹ گئی۔ وہی عرب جو جاہل تھا مہذب بن گیا۔ جدال و قتال کی جگہ محبت خلوص اور پریم نے لے لی۔ اور افلاس کا نام و نشان بھی نہ رہا۔ تیس برس کے قلیل عرصہ میں ا

عرب کے پاس قیصرو کسریٰ کے خزانے جمع ہو گئے اور کوئی بھی مفلس نہ رہا۔

اب آپ خود فیصلہ کرلیں کہ روحانی طاقت والوں کے لئے انفرادی طور پر لوگوں کی خدمت کرنا زیادہ واضح اور اہم ہے یا اجتماعی طور پر ان کی تہذیب و اصلاح کی کوشش۔

اب آپ شاید یہ سوال کریں کہ اصلاح تو ہمارے علمائے ظاہر بلکہ دنیاوی لیڈر اور ریفارمر بھی کرسکتے ہیں اس کے لئے روحانیت اور اہل روحانیت ہی کی کیا ضرورت ہے؟ تو میں کہوں گا کہ معاف فرمایئے آپ کا یہ سوال روحانیت سے ناواقفیت کی وجہ سے ہے۔ ایک تار جس میں بجلی نہ ہو ہرگز وہ کام نہیں کرسکتا جو بجلی سے بھرا ہوا ایک "لونگ وائر" کرسکتا ہے۔ جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں یہ اگر ممکن ہوتا تو آج دنیائے اسلام کو اصلاح کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ سنئے میں نے ابھی لونگ وائر کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جس تار میں بجلی دوڑ رہی ہو اس کو "لونگ وائر" کہتے ہیں اس کے لفظی معنی ہیں "زندہ تار" اہل روحانیت بھی ایک زندہ تار کی طرح ہوتے ہیں۔ ان کی رگ رگ میں ایک ایسی برقی قوت اور مقناطیسی کشش ہوتی ہے کہ آدمی خواہ مخواہ ان سے محبت کرنے لگتے ہیں اور جو کچھ وہ کہتے ہیں ان پر عمل کرنا اپنی سعادت سمجھتے ہیں اور بہت جلد نیک اور اچھے شہری بن جاتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ان بزرگوں میں یہ طاقت بھی ہوتی ہے کہ جو آدمی کہنا نہ مانے یا کوئی بری عادت نہ چھوڑے اس پر متواتر توجہ کرکے وہ عادت چھڑا دیتے ہیں۔

تیسرے یہ کہ ان کا اخلاق' اخلاق محمدی ﷺ کا نمونہ ہوتا ہے۔ اور جو کوئی ان کی صحبت میں رہتا ہے ویسا ہی بن جاتا ہے میرے خیال میں روحانی طاقت کا بیان امید سے زیادہ لمبا ہو گیا ہے۔ اب ہم کو عقل سلیم کا ذکر کرنا چاہئے۔

عقل سلیم

خدا کی عطا کردہ بے شمار نعمتوں میں عقل بھی ایک بڑی نعمت ہے اور انسان وحشت اور بربریت کی زندگی سے تہذیب و تمدن کی موجودہ بلندیوں تک اسی کی مدد سے پہنچا ہے۔ عقل نے اس کو اس مقام تک جس طرح پہنچایا وہ بہت ہی دلچسپ اور بصیرت افروز داستان ہے مگر اس چھوٹے سے خطبہ اور محدود وقت میں کہاں بیان ہو سکتی ہے۔ مختصراً یوں سمجھئے کہ انسان نے اپنی پیدائش سے آج تک سفر ہستی کا جتنا راستہ طے کیا ہے اس میں عقل نے ایک لمحہ بھی اس کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ سارا راستہ انگلی پکڑ کر پاؤں پاؤں چلایا اور ہر ہر قدم پر بتایا کہ اس ماحول مین جتنی چیزیں بھری پڑی ہیں ان میں سے یہ تیرے لئے مفید ہیں اور یہ مضر۔ یہ حیات آفریں ہیں اور یہ مہلک۔ یہ عقل ہی ہے جس نے ماکولات و مشروبات میں مفید و مضر اشیاء کا نہ صرف تعین کیا بلکہ ان کی مضرت اور افادیت کے درجات بھی مقرر کئے۔ یہ عقل ہی ہے جس نے ملبوسات و مکانات میں ہر ماحول اور آب و ہوا کے مطابق طرح طرح کی ایجاد و اختراع کرکے ان کو انسان

کے لئے آلات و ہتھیار بنائے۔ یہ عقل ہی ہے جس نے زراعت تجارت اور باربرداری کے نئے سے نئے وسیلے ایجاد کئے اور انسان کو آبادیوں میں مل جل کر رہنے کے طور طریقے سکھائے۔

الغرض عقل ہی نے انسان کو پالا پوسا اور بڑا کیا۔ اور آج بھی جب کہ وہ عنفوان شباب کے آستانہ پر قدم رکھ چکا ہے اس دایہ مہربان نے اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا۔ آج بھی انسان کی انگلی اسی کے ہاتھوں میں ہے اور وہ آگے کی سوئی تیاری کر رہا ہے۔

عقل کے دو مدارج ہیں۔ پہلا عقل حکیم اور دوسرا عقل سلیم۔ اب تک جو کچھ بھی عقل نے کیا وہ اس کی مادی اسباب و وسائل کے ذریعہ انسان کی بقاء اور ترقی کے لئے تھا یہ سب کام تھا عقل حکیم کا۔ لیکن انسان صرف گوشت پوست اور ہڈیوں کے ڈھانچے ہی کا نام نہیں ہے۔ اس کے خمیر میں مادی اجزاء کے علاوہ کچھ دوسرے طبیعاتی تقاضے اور ماورائی تمنائیں بھی ہیں۔ ان تقاضوں کو پورا کرنا اور ان تمناؤں کے حصول میں مدد دینا عقل سلیم کا کام ہے۔ یہ تقاضے اور تمنائیں بہت سے ہیں یہاں صرف دو بنیادی چیزوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

اول یہ کہ ہر انسان بلا استثنا یہ چاہتا ہے کہ اسے اطمینان قلب نصیب ہو۔ رنج و الم اس کے نزدیک بھی نہ آئے اور وہ ہمیشہ خوشی اور مسرت کی زندگی بسر کرے۔

دوم یہ کہ انہی انسانوں میں کوئی کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جو ہر وقت ہر شے اور ہر بات کی کنہ اور حقیقت معلوم کرنے کے درپے رہتا ہے اور اس کے دل میں ہر وقت یہ آوازیں اٹھتی ہیں۔

میں کون ہوں؟ کہاں سے آیا ہوں؟ کہاں جاؤں گا؟ میرے آنے کا مقصد کیا ہے؟ یہ کائنات کیا ہے؟ اس کا بنانے والا کوئی ہے یا نہیں ہے؟ ہے تو وہ کہاں ہے کیسا ہے اور اپنی مخلوق سے اس کا تعلق کس طرح قائم ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

ان میں سے شق اول کے لئے ایک ایسے نظام اخلاق کی ضرورت ہے۔ جس کا پابند رہ کر انسان امن وامان کی زندگی بسر کر سکے۔ یہ نظام اخلاق کیا چیز ہے اور اس کی غرض و غایت کیا ہے؟

سچے دنیا میں کوئی آدمی بھی تنہا زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ ہر شخص مجبور ہے کہ احتیاجات زندگی کے حصول اور جذبات کی تسکین کے لئے دوسروں سے مدد لے اور میل جول پیدا کرے۔ اس کے ساتھ یہ بھی امر واقعہ ہے کہ ہر انسان کی طبیعت فطرتاً اور تربیتاً دوسروں سے کسی نہ کسی قدر مختلف اور بعض اوقات بالکل متضاد ہوتی ہے۔ اس واسطے جب وہ آپس میں ملتے ہیں تو تصادم ہو جاتا ہے۔ جس سے عناد فساد اور نزاعی جھگڑے پیدا ہوتے ہیں اور بعض اوقات نوبت قتل و غارت تک پہنچتی ہے۔ یہ چیز نوع انسان کی فلاح و بہبود اور ترقی و بقاء کے لئے سم قاتل ہے۔ اس لئے ناگزیر ہوا کہ کوئی طریقہ اور راستہ

دریافت کیا جائے کہ یہ اختلافات اور فتنہ و فساد بالکل ختم نہ ہو سکیں تو اس حد تک کم ضرور ہو جائیں کہ تخریب و تباہی کا خوف جاتا رہے۔ یہ اس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک کہ انسانی افعال و اعمال اور خیالات میں زیادہ سے زیادہ یکسانیت نہ پیدا ہو۔ اس موقعہ پر جب فکر عاجز ہونے لگی تو عقل سلیم نے آگے بڑھ کر دستگیری کی اور انسان کے تمام اعمال و افعال اور خیالات بلکہ حرکت و سکون تک سب کو دو حصوں میں بانٹ دیا اور بتلایا کہ دیکھو حصہ اول میں جتنی چیزیں ہیں وہ سب خیر کہلاتی ہیں اور حصہ دوم میں جو کچھ ہے اس کو شر کہتے ہیں جو چیزیں خیر ہیں وہ انسان کی ترقی و تعمیر، بقاء، بہبود، خوشی و خوش حالی اور اطمینان و سکون کا موجب ہوتی ہیں اور جتنی چیزیں شر ہیں وہ تنزل و تخریب، ہلاکت و تباہی، ہلاکت و افلاس اور انتشار و الم کا سبب بن جاتی ہیں۔ اس لئے خیر کو اختیار کرو اور شر سے بچو۔ اگر تم میرا کہنا مانو گے تو قیامت تک پھولو پھلو گے اور خدا کی لامحدود نعمتوں سے متمتع ہو گے۔ نہ مانو گے تو فنا ہو جاؤ گے اور فنا نہ بھی ہوئے تو وحشت و بربریت کی زندگی بسر کرو گے۔ چنانچہ جن قوموں نے عقل سلیم کے مشورہ پر جتنا زیادہ عمل کیا وہ دوسری قوموں سے اتنی ہی زیادہ معزز و ممتاز ہوئیں اور آسائش و آرام سے رہیں۔ جنہوں نے نہ مانا وہ خراب و خوار ہوئیں اور آج تک ہیں۔ یقین نہ آئے تو وحشی قبائل کی حالت دیکھ لو۔

غور کرو تو یہ نظام اخلاق وہی قانون الٰہی ہے جو مذہب پیش کرتا ہے۔ عقل سلیم کا کام نظام اخلاق کی تدوین پر ہی ختم نہیں ہو جاتا بلکہ وہ ہمیشہ دوسرے بہت ہی اہم امور میں مصروف رہتی ہے۔

دوسری شق میں جتنے بھی امور ہیں وہ سب مابعد الطبیعاتی اور ماورائی ہیں اور راہ کا مسافر تو عقل سلیم کی مدد بغیر وہ قدم بھی نہیں چل سکتا۔ مگر اس میدان میں عقل سلیم آخری منزل تک سالک کا ساتھ نہیں دے سکتی۔ تاہم وہ اس کو صراط مستقیم پر ڈال کر ایک ایسے آستان قدس تک پہنچا دیتی ہے جس میں داخل ہونے کے بعد ہر مشکل آسان اور ہر راہ ہموار ہو جاتی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اس کا کام اور فلسفہ کا سفر ختم ہو جاتا ہے۔ وہ یہاں سے ایک قدم بھی آگے نہیں جا سکتی اور بے اختیار پکار اٹھتی ہے۔

اگر یک سر موئے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

• اس آستاں سے آگے کا راستہ قلب سلیم کی معیت و رہنمائی میں طے ہوتا ہے مگر وہ بھی آخری منزل تک ساتھ نہیں دے سکتا۔ راستے ہی میں تھک کر بیٹھ جاتا ہے پھر کیا ہوتا ہے؟ اس سوال کا جواب دینے کے لئے کسی زبان میں بھی کوئی لفظ نہیں ہے لہٰذا خاموشی ہی آخری جواب ہے۔

قلب سلیم

چوتھی نعمت جو تصوف کی بدولت انسان کو ملتی ہے اور جو انسان کو فرشتوں سے بھی افضل بنا رہی ہے'

قلب سلیم ہے۔ قلب سلیم سے انسان کو کیا ملتا ہے؟ یہ الفاظ میں نہیں بتایا جا سکتا صرف کر کے دیکھنے سے سمجھ میں آسکتا ہے۔ تاہم اتنا بتایا جا سکتا ہے کہ مدت دراز تک عبادت "مجاہدہ" تزکیہ اخلاق اور ذکر اللہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سالک کا قلبی تعلق ساری دنیا سے قطع ہو کر صرف اللہ سے قائم ہو جاتا ہے۔ یعنی مصداق وتبتل الیہ تبتیلا وہ سب کو چھوڑ کر اللہ کا ہو رہتا ہے۔ اللہ سے اس کی قوی نسبت قائم ہو جاتی ہے۔ ہر امر میں اس کو اللہ سے براہ راست ہدایت ملتی ہے اور وہ خود شرعی پابندیوں اور اپنے حقوق کی بجا آوری میں کبھی غلطی نہیں کرتا۔ دنیا کے جتنے انفرادی یا اجتماعی مسائل اسے پیش آتے ہیں سب کو کما حقہ سمجھتا اور ہمیشہ صحیح فیصلہ کرتا ہے۔ جتنے آدمی اس سے ملتے ہیں ان میں سے جو ملنے کے قابل نہیں ہوتے اس کا دل ان کی طرف کبھی مائل نہیں ہوتا۔ باوجود اس کے وہ ان سے بھی بڑے پیار اور اخلاق سے ملتا ہے اور جو خدمت ممکن ہو اس سے گریز نہیں کرتا۔ قلب سلیم کی برکتیں کہاں تک گنوائی جائیں۔ مختصر یہ ہے کہ صاحب قلب سلیم براہ راست اللہ کی نگرانی اور حفاظت میں آجاتا ہے اور ہر قسم کے مضرات و مہلکات سے بچا رہتا ہے۔

لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ایسے آدمی کا دنیا اور امور دنیوی سے کوئی واسطہ اور تعلق نہیں ... وہ دنیا کے سارے کام اسی طرح کرتا ہے جیسے ایک غیر صوفی اور عام نیک آدمی کرتا ہے۔ یہ بھی نہ سمجھنا چاہئے کہ اس کو کسی رنجیدہ بات کا رنج اور خوش کن بات کی خوشی نہیں ہوتی۔ یا غریبوں، بیماروں اور بے کس و لاچار آدمیوں کو دیکھ کر اس کا دل نہیں دکھتا۔

لیکن کوئی تاثر بھی دو چار منٹ سے زیادہ نہیں رہنے پاتا اور اس قلیل عرصہ میں بھی وہ خدا سے غافل نہیں رہتا۔ اس کی حالت بالکل حرف مشدد کی سی ہوتی ہے کہ ایک طرف مخلوق میں شامل ہوتا ہے تو دوسری طرف اللہ سے واصل رہتا ہے۔ کیا اس سے زیادہ نعمت ایک انسان کے لئے اور بھی کوئی ہو سکتی ہے آیئے اب دعا کریں کہ اللہ ہم سب کو ایسا ہی قلب سلیم عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین (ماخوذ چراغ راہ خطبہ نمبر 3)

خرابی کی جڑ

(سید ابوالحسن ندوی)

خرابی کی جڑ یہ ہے کہ برائی اور پاپ کی خواہش پیدا ہو گئی ہے

انسان آج نئے نہیں ہیں وہ ہزاروں برس سے آباد ہیں ان کی سینکڑوں برس کی تاریخ محفوظ ہے اس تاریخ کی سطح پانی کی سطح کی طرح برابر نہیں۔ اس میں سخت نشیب و فراز ہے اس میں آدمی کہیں اونچا نظر آتا ہے کہیں نیچا، کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ انسان کی تاریخ نہیں، خونخواروں اور درندوں کی تاریخ ہے۔ سب کی تاریخ ہے مگر انسانوں کی تاریخ نہیں۔ اس کے مطالعہ سے انسان کا سر جھک جاتا ہے۔ کہ ہم میں ایسے افراد بھی گزرے ہیں یہ فیصلہ تو آنے والی نسلیں کریں گی کہ ہم اور آپ کیسے آدمی تھے لیکن یہ اندازہ ہم کر سکتے ہیں کہ انسانوں کا پچھلا ریکارڈ کیسا ہے اس میں بعض ایسے دور نظر آتے ہیں کہ اگر بس چلے تو تاریخ سے اوراق کو نکال دیں۔ ایسا ریکارڈ ہے کہ ہم بچوں کے ہاتھوں میں دینے کو تیار نہیں۔ مجھے اس کی کہانی سنانی ہے لیکن مجھے ایک حقیقت کی طرف متوجہ کرنا ہے۔ کہ تاریخ میں جو ایسے ناگوار دور گزرے ہیں اس میں خرابی کی جڑ کیا ہے۔

حضرات! عام طور پر لوگ کسی خاص طبقہ یا چند افراد اور بعض اوقات تنہا کسی فرد کو پوری سوسائٹی کی خرابی کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان خراب عناصر نے یا اس بگڑے ہوئے فرد نے پوری زندگی کو غلط رخ پر ڈال دیا تھا۔ لیکن مجھے اس سے اتفاق نہیں۔ میں تاریخ کے مطالعہ کی بنیاد پر بات کرتا ہوں کہ ایک مچھلی تالاب کو گندا کر سکتی ہے۔ لیکن ایک فرد سوسائٹی کو بگاڑ نہیں سکتا۔ واقعہ یہ ہے کہ اچھی سوسائٹی میں برے آدمی کا گزر نہیں ہو سکتا۔ وہ گھٹ گھٹ کر مرجائے گا۔ جس طرح مچھلی کو پانی سے نکال دیا جاتا ہے تو وہ گھٹ کر مرجاتی ہے۔ اسی طرح جو سوسائٹی برائی کی اہمیت افزائی نہیں کرتی۔ وہ اسے خوش آمدید کرنے کے لئے تیار نہیں اس میں برائی تڑپنے لگے گی۔ اس کا دم گھٹنے لگے گا اور وہ دم توڑ دے گی۔ ہر زمانے میں اچھے برے انسان ہوتے ہیں۔ لیکن سب برائیوں کا ان کو ذمہ دار ٹھہرانا اور تمام برائیوں کو ان کے سر تھوپ دینا ٹھیک نہیں۔ اگر کچھ برے لوگ حاوی ہو گئے تھے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ پوری دنیا کا ہینڈل ان کے ہاتھ میں تھا۔ وہ جس طرح چاہتے زندگی کو موڑ دیتے تھے۔ بلکہ بات یہ ہے کہ اس زمانے میں خود خرابی آ گئی تھی۔ اس زمانے کا ضمیر گندہ ہو گیا تھا۔ اس کے اندر اندھیرا، ظلم اور

خواہشات کو پورا کرنے کی زبردست خواہش پیدا ہو گئی تھی۔ وہ خود غرض اور نفس پرست ہو گیا تھا۔ جس دل کو گھن لگ جائے جو من پاپی ہو جائے۔ آپ اسے جرائم سے کس طرح روک سکتے ہیں۔ آپ ان کو بیڑیوں میں جکڑ کر بھی رکھیں گے تب بھی ان چیزوں سے محفوظ نہیں رکھ سکتے۔

ہر زمانہ میں کچھ ایسے افراد رہے ہیں۔ جن کا عقیدہ تھا کہ بس ہم اور ہمارے اہل و عیال انسان ہیں اور باقی سب ہمارے خادم ہیں۔ کچھ ایسے انسان بھی ہیں جو کروڑوں انسانوں کو بستا دیکھتے ہیں۔ لیکن وہ خود اپنے ہی محدود حلقہ کو انسان سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ بس یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا میں بس انہیں کے کبنہ کے دس گیارہ افراد یا بیس پچیس افراد یا انسان بستے ہیں۔ ایسے انسان ہمیشہ رہے ہیں۔ جو اپنے اپنے مسائل اور متعلقین کو دیکھنے کے لئے خوردبین رکھتے ہیں اور دوسروں کو دیکھنے کے لئے ان کی آنکھیں بھی بند ہو جاتیں ہیں۔ بعض لوگ دو عینکیں رکھتے ہیں۔ ایک سے اپنے کو دیکھتے ہیں اور ایک سے دوسرے کو دیکھتے ہیں یا تمام دنیا کو دیکھتے ہیں انہیں نظر بھی نہیں آتا کہ انسان کہاں ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ ان کے پاس وہ عینک ہے کہ اس کے ذریعہ ان کے بچے آسمان سے باتیں کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کو اپنی رائی پربت اور دوسروں کا پہاڑ ذرہ نظر آتا ہے۔

دنیا کے مختلف انسانوں نے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق زندگی کے سدھار کے طریقے سوچے اور ان پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ کسی نے کہا کہ ساری خرابی کی جڑ یہ ہے کہ انسان کو پیٹ بھر کھانے کو نہیں ملتا یہی زندگی کا سب سے بڑا روگ ہے انہوں نے اسی مسئلہ کو اپنا مشن بنالیا۔ اس کے نتیجہ میں پاپ اور بڑھا پہلے لوگ کمزور تھے۔ پاپ بھی اسی لحاظ سے کمزور تھا۔ انہوں نے جب خون کے انجکشن دیئے اور قوت حیات (Vitality) بڑھائی تو اس کے پاپ بھی طاقتور ہو گئے۔ دل بدلا نہیں' ضمیر بدلا نہیں' ذہن بدلہ نہیں' طاقت بڑھ گئی ہے' بے فکری پیدا ہو گئی ہے' فرق اتنا ہوا کہ پہلے پھٹے کپڑاوں میں پاپ ہوتے تھے اب زرق برق لباسوں میں پاپ ہونے لگے۔ پہلے بے زور اور بے ہنر ہاتھوں سے گناہ ہوتے تھے۔ اب طاقتور اور ہنرمند ہاتھوں سے وہی سب گناہ ہونے لگے۔

کسی نے کہا تعلیم کا انتظام کیا جائے۔ جہالت' ناخواندگی ہی فساد کی جڑ ہے اور تمام خرابیوں کی اصل وجہ ہے۔ علم بڑھا' لوگ معلومات حاصل کریں گے اور نئی نئی زبانیں سیکھیں گے لیکن ان کا ضمیر فاسد اور ذہن ٹیڑھا تھا اور دل کے اندر پاپ بسا ہوا تھا انہوں نے علم کو فساد اور پاپ کا ذریعہ بنایا اور تخریب کاری کا ذریعہ بنایا کھلی بات ہے کہ اگر چور کو لوہاری کا فن آجائے تو وہ تجوری توڑنا سیکھے گا۔ اب اگر کسی میں خدا کا

خوف اور انسانی ہمدردی کا رجحان نہیں ہے اور ظلم و ستم اس کے ضمیر میں پڑا ہوا ہے تو علم اس کے ہاتھ میں ظلم اور فتنہ فساد کا آلہ کار دیدے گا۔ اور اس کو گناہ اور چوری کے نئے نئے ڈھنگ سیکھائے گا۔

بعض لوگوں نے تنظیم کو اصلاح کا ذریعہ سمجھا اور ساری قوت لوگوں کی تنظیم پر صرف کی نتیجہ یہ ہوا کہ بگڑے ہوئے افراد کا ایک بگڑا ہوا مجموعہ تیار ہو گیا۔ جو کام اب تک غیر منظم طریقے سے ہوتا تھا اب منظم طریقہ سے ہونے لگا اب سازش اور تنظیم کے ساتھ چوریاں ہونے لگیں۔ لوگوں نے اخلاقی تربیت دل اور ضمیر کی اصلاح کی طرف تو توجہ کی نہیں۔ جیسے برے بھلے لوگ تھے۔ ان کو منظم کرنے ہی کو کام سمجھا نتیجہ یہ ہوا کہ بد اخلاقی کو طاقت حاصل ہو گئی۔ میں تو کہوں گا کہ ڈاکوؤں اور چوروں اور بد اخلاقوں کی تنظیم نہ ہوتی تو اچھا تھا۔

کسی نے کہا کہ زبانوں کا اختلاف اور کثرت و فساد کی جڑ ہے۔ زبان ایک اور مشترک ہونی چاہیئے۔ اس ملک کی ترقی' قوم کی خوشحالی اور انسانیت کی خدمت ہے۔ لیکن اگر لوگ نہ بدلیں۔ خیالات نہ بدلیں۔ دلوں کی خواہشات اور اندر کے حالات نہ بدلیں تو زبان کے بدل جانے یا بولی کے ایک ہو جانے سے کیا فائدہ ہو گا۔ فرض کیجئے اگر ساری دنیا کے چور اور جرائم پیشہ ایک بولی بولنے لگیں اور ایک ہی زبان اختیار کر لیں تو اس سے دنیا کو کیا فائدہ ہو گا اور اس سے چوری اور جرائم کا کیا سد باب ہو گا۔ میں تو سمجھا ہوں کہ اس سے بجائے اس کے کہ چوری اور جرائم کم ہوں۔ زیادہ ہوں گے اور مجرم کی شناخت میں اور دقت ہو گی۔

کسی نے کہا کہ وقت کا سب سے بڑا کام اور انسانیت کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ کلچر ایک ہو جائے مگر کیا آپ کو معلوم نہیں کہ یہاں تہذیبیں نہیں ٹکراتیں' ہوس ٹکراتی ہے۔ ہوس کا مہلک جذبہ ٹکراتا ہے ہمارے بہت سے رہنما بے سوچے سمجھے کہنے لگے ہیں کہ اگر تمام دنیا کا کلچر ایک ہو جائے تو انسانیت کی ناؤ پار لگ جائے گی' اگر پورے ملک کا کلچر ایک ہو جائے تو اس کے رہنے والے شیر و شکر ہو جائیں گے۔ لیکن دوستو کلچر کا ایک ہونا مفید نہیں' دل ایک ہونا مفید ہے۔ کہنے والے نے غلط نہیں کہا۔

اگر لوگ ایک دل نہ ہوئے تو ایک زبان یا ایک تہذیب ہونے سے کچھ فائدہ نہیں' جو لوگ پہلے سے ایک زبان ہیں اور جن کی تہذیب اور کلچر مشترک ہے۔ ان میں کونسی محبت اور اتحاد ہے۔ کیا وہ لوگ دوسروں پر ظلم نہیں کرتے' کیا وہ ایک دوسرے کو دھوکا نہیں دیتے۔ کیا ان میں ایک دوسرے سے عاجز اور پریشان نہیں ہیں۔ کیا ایک کلچر' ایک زبان اور ایک تہذیب کے لوگ آپس میں نہیں لڑتے۔ بعضوں

نے کہا لباس ایک ہو' لیکن جب کسی زبردست کو گریبان پکڑنے کی عادت پڑ جائے اور جیب کترنے کی لت لگ جائے تو کیا وہ لباس کا احترام کرے گا۔ کیا وہ محض اس وجہ سے اپنے ارادے سے باز رہے گا کہ اسی کا جیسا لباس دوسرے کے جسم پر ہے۔ انسانیت کا احترام دل میں نہ ہو تو لباس کا احترام کیسے پیدا ہو گا۔ لباس کی قدر و قیمت تو انسان کی وجہ سے ہے۔

دوستو! انسانیت کے مسائل اور مشکلات کا حل نہ لباس کی یکسانیت ہے' نہ زبان اور تہذیب کی' نہ ملک وطن کی وحدت' نہ علم و دولت' نہ تہذیب و تنظیم' نہ وسائل و ذرائع کی کثرت ان سب میں کوئی بھی ایسی طاقت نہیں جو دنیا کو بدل دے' جب تک دل کی دنیا نہیں بدلتی' باہر کی دنیا نہیں بدل سکتی' پوری دنیا کی بھاگ دوڑ دل کے ہاتھ میں ہے۔ زندگی کا سارا بگاڑ دل کے بگاڑ سے شروع ہوا ہے۔ لوگ کہتے ہیں مچھلی سر کی طرف سے سڑنا شروع ہوتی ہے میں کہتا ہوں انسان دل کی طرف سے سڑنا شروع ہوتا ہے۔ یہاں سے بگاڑ شروع ہوتا ہے اور ساری زندگی میں پھیل جاتا ہے۔ پیغمبر یہیں سے کام شروع کرتے ہیں وہ خوب سمجھتے ہیں کہ یہ سب دل کا قصور ہے۔ انسان کا دل بگڑ گیا ہے اس کے اندر چوری' ظلم' دغابازی کا جذبہ اور ہوس پیدا ہو گئی ہے اس کے اندر خواہش کا عفریت ہے۔ جو ہر وقت اسکو نچا رہا ہے اور وہ بچے کی طرح اس کے اشارے پر حرکت کر رہا ہے۔ پیغمبر کہتے ہیں کہ ساری خرابیوں کی جڑ یہ ہے کہ انسان پاپی ہو گیا ہے اس کے اندر برائی کا جذبہ اور اس کا زبردست میلان پیدا ہو گیا ہے اس لئے سب سے ضروری اور مقدم کام یہ ہے کہ اس کے دل کی اصلاح کی جائے اور اس کے من کو مانجھا جائے۔

وہ لوگوں کو فاقہ کرتے دیکھتے ہیں اس منظر سے ان کا دل جس قدر دکھتا ہے دنیا میں کسی کا نہیں دکھتا۔ ان کو کھانا پینا دشوار ہو جاتا ہے مگر وہ حقیقت پسند ہوتے ہیں وہ یہ نہیں کرتے کہ اسی کو مسئلہ بنا کر اسی کے پیچھے پڑ جائیں۔ اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ یہ خرابی کا نتیجہ ہے خرابی کی جڑ نہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اگر لوگوں کے پیٹ بھرنے کا سامان کر دیا جائے اور زائد غلہ لے کر بھوکوں کو دے دیا جائے تو یہ وقتی اور سطحی انتظام ہو گا اور ایسی فضاء اور ایسے حالات پیدا کرتے ہیں کہ لوگوں سے دوسروں کی بھوک دیکھی نہ جا سکے۔ اور خود اپنے گھر سے غلہ لا کر لوگوں کے پاس ڈال دیں۔ اس کے برخلاف لوگ ایسے حالات پیدا کرتے جاتے ہیں کہ غلہ کھسکتا اور ایک جگہ جمع ہوتا ہے چلا جائے گا۔ یاد رکھئے کہ اگر ذہنیت میں تبدیلی نہ ہوئی اور غلہ کی تقسیم یا رسد کا انتظام کر دیا گیا تو اس کے بعد بھی لوگوں کو ایسا فن معلوم ہے کہ دوسروں کی جھولی کے دانے ان کی جھولی میں آ جائیں اور دولت ہر طرف سے سمٹ کر ان کے قدموں سے لگ جائے'

آپ نے شاید الف لیلیٰ کا قصہ پڑھا ہو کہ سند باد جہازی اپنے ایک سفر میں ایک مقام پر پہنچا۔ اس نے دیکھا کہ جہاز کا کپتان بہت فکر مند اور پریشان ہے۔ سند باد نے سبب پوچھا تو جہاز کے ناخدا نے بتایا کہ ہم غلطی سے ایک ایسے مقام پر آ گئے ہیں جہاں سے قریب مقناطیس کا ایک پہاڑ ہے۔ ابھی تھوڑی دیر میں ہمارا جہاز اس کے قریب پہنچ جائے گا۔ مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے۔ جب وہ پہاڑ کشش کرے گا تو جہاز کی سب کیلیں اور تختوں کے قبضے نکل کر پہاڑ سے جا ملیں گے اور جہاز کا بند بند جدا ہو جائے گا اس وقت ہمارا جہاز ڈوبنے سے نہ بچ سکے گا۔ چنانچہ ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ مقناطیس نے لوہے کو کھینچنا شروع کر دیا اور جہاز میں جتنا بھی لوہے کا سامان تھا سب کھنچ کھنچ کر پہاڑ پر پہنچ گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے جہاز غرق ہو گیا۔ خوش قسمت سند باد ایک بہتے ہوئے تختے کے سہارے کسی جزیرے میں پہنچ گیا اور اس کی جان بچ گئی۔

یہ قصہ غلط ہو یا صحیح اس سے مجھے کچھ سروکار نہیں، مگر مجھے آپ کو یہ سنانا تھا کہ ہماری سوسائٹی میں بھی مقناطیس صفت سرمایہ دار اور تاجر موجود ہیں۔ انہیں آپ بھی (MAGNATE) کہتے ہیں۔ وہ ایسی سازش کرتے ہیں کہ دولت سمٹ کر ان کے گھر میں آ جاتی ہے۔ وہ ایسا معاشی جال پھیلاتے ہیں کہ لوگ چارو ناچار سب کچھ ان کی جھولی میں ڈال دیتے ہیں اور اپنے وسائل زندگی اور ضروریات ان کے سپرد کر کے پھر غربت اور فاقہ کشی کی زندگی گزارنے لگتے ہیں۔ پیغمبر قلب کی ماہیت بدل دیتے ہیں وہ انسان کے اندر ایسی تبدیلی پیدا کرتے ہیں کہ وہ دوسرے انسان کی فاقہ کشی کو نہ دیکھ سکے۔ وہ اس کے اندر ایثار کی روح اور قربانی کا جذبہ اور سچی انسانی ہمدردی پیدا کرتے ہیں اسکو دوسروں کی زندگی اپنی زندگی سے عزیز ہو جاتی ہے۔ وہ اپنی جان کھو کر دوسروں کی زندگی بچانا چاہتا ہے وہ اپنے بچوں کو بھوکا رکھ کر دوسروں کا پیٹ بھرنا چاہتا ہے وہ خطروں میں اپنے کو ڈال کر دوسروں کو خطروں سے محفوظ کرنا چاہتا ہے۔

آپ میرے ان لفظوں پر تعجب نہ کریں یہ سب تاریخ کے واقعات ہیں۔ ہماری آپ کی اسی دنیا میں ایسا ہو چکا ہے۔ تاریخ میں ایسے واقعات گزرے ہیں۔ جو ان فرضی قصوں اور افسانوں سے کہیں زیادہ حیرت انگیز اور تعجب خیز ہیں جو آج فلموں میں اور سکرین پر دکھائے جاتے ہیں محمد رسول اللہ ﷺ کی دنیا میں آمد کے کچھ عرصہ بعد کا واقعہ ہے کہ ایک مسلمان اپنے زندہ بھائی کی تلاش میں پانی لے کر نکلے کہ شائد پانی کی ضرورت ہو تو میں ان کی خدمت کر سکوں۔ زخمیوں میں ان کو اپنے بھائی نظر آ گئے۔ جو زخموں سے نڈھال اور پیاس سے بے قرار تھے۔ انہوں نے پیالہ بھر کر پیش کیا تو زخمی بھائی نے دوسرے زخمی کی طرف اشارہ کیا کہ پہلے اس کو پلاؤ۔ اگر یہ واقعہ یہیں ختم ہو جاتا تو پھر انسانیت کی بلندی کے لئے کافی تھا اور

تاریخ کا ایک یادگار واقعہ ہوتا لیکن یہ واقعہ یہیں ختم نہیں ہوتا جب اس زخمی کے سامنے پیالہ پیش کیا گیا تو اس زخمی نے تیسرے زخمی کی طرف اشارہ کیا۔ اس طرح ہر زخمی اپنے پاس والے زخمی کی طرف اشارہ کرتا گیا۔ یہاں تک کہ پیالہ چکر کاٹ کر پہلے زخمی کی طرف پہنچا تو وہ دم توڑ چکا تھا۔ دوسرے کے پاس پہنچا تو وہ بھی رخصت ہو چکا تھا۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے سب زخمی دنیا سے جا چکے تھے۔ لیکن تاریخ پر اپنا نقش چھوڑ گئے۔ آج جب کہ بھائی بھائی کا پیٹ کاٹ رہا ہے۔ اور ایک انسان دوسرے انسان کے منہ سے روٹی کا ٹکڑا چھین رہا ہے یہ واقعہ روشنی کا ایک مینار ہے۔

ایک دفعہ حضور ﷺ کے پاس کچھ مہمان آئے۔ آپ ﷺ کے ہاں کچھ کھانے کو نہ تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان کو کون اپنے گھر لے جائے گا۔ ایک صحابی حضرت طلحہ انصاری ؓ نے اپنے کو پیش کیا اور مہمانوں کو گھر لے گئے۔ گھر میں کھانا کم تھا۔ گھر میں یہ مشورہ ہوا کہ بچوں کو سلا دیا جائے اور کھانا مہمانوں کے سامنے رکھ کر چراغ بجھا دیا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مہمانوں نے شکم سیر ہو کر کھانا کھایا اور ابو طلحہ بھوکے اٹھ گئے۔ مہمانوں کو اندھیرے میں پتہ چلنے نہیں پایا کہ ان کا میزبان کھانے میں شریک نہیں ہے اور وہ خالی ہاتھ منہ تک لے جاتے رہے ہیں۔

پس پیغمبر انسان کے اندر تبدیلی پیدا کرتے ہیں۔ وہ نظام بدلنے کی کوشش نہیں کرتے۔ جتنا مزاج بدلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ نظام ہمیشہ مزاج کے تابع ہوتا ہے یا رہا ہے اگر دل نہیں بدلتا تو مزاج نہیں بدلتا تو کچھ نہیں بدلتا' لوگ کہتے ہیں کہ دنیا خراب ہے' زمانہ خراب ہے۔ میں کہتا ہوں یہ کچھ نہیں بلکہ انسان خراب ہے۔ کیا زمین کی حالت میں فرق پڑ گیا ہے۔ کیا ہوا کا اثر بدل گیا ہے۔ کیا سورج کی گرمی اور روشنی نے دنیا چھوڑ دی۔ کیا آسمان کی حالت بدل گئی۔ کسی کی فطرت (NATURE) میں کوئی فرق پڑا۔ زمین اسی طرح سونا اگل رہی ہے۔ اس کے سینے سے اسی طرح اناج کا ذخیرہ ابل رہا ہے۔ پھلوں کے ڈھیر نکل رہے ہیں۔ لیکن تقسیم کرنے والے پاپی ہو گئے ہیں۔ ظالم جب اپنی ضروریات کی فہرست بناتے ہیں' تو اخبارات کے صفحات ان کے لئے تنگ اور دفتر کے دفتر ان کے لئے کم اور جب دوسروں کی ضروریات پر سوچتے ہیں تو ساری علم معاشیات (ECONOMICS) کی قابلیت کا کمال اس کے مختصر کرنے میں صرف کر دیتے ہیں۔ جب تک یہ رجحان نہیں بدلتا انسانیت کراہتی رہے گی۔ پیغمبر دلوں میں انجکشن لگاتے ہیں' لوگ باہر کی ٹیپ ٹاپ کرتے ہیں اور اسی پر سارا زور صرف کرتے ہیں۔ پیغمبر اندر کے گھن کی فکر کرتے ہیں۔ آج ساری دنیا میں یہی ہو رہا ہے۔ انسانیت کا درخت اندر سے خشک ہوتا جا رہا ہے۔ کیڑا اس کے

گودے کو کھائے چلا جا رہا ہے۔ لیکن زمانے کے بقراط اوپر سے پانی چھڑکوائے جا رہے ہیں۔ درخت کے اندر کی سرسبزی اور اس کی نشوونما کی جو قوت تھی وہ ختم ہو چلی ہے۔ لیکن پتوں کو سرسبز کرنے کی ہوائیں (gases) پہنچائی جا رہی ہیں۔ پانی چھڑکا جا رہا ہے۔ کہ خشک پتے ہرے ہوں۔ پیغمبروں نے انسانوں کو انسان بنانے کی کوشش کی۔ انہوں نے اسے ایمانی انجکشن دیا اور کہا کہ اے بھولے ہوئے انسان اپنے پیدا کرنے والے کو پہچان اور سوتے جاگتے' چلتے پھرتے اسے نگران مان

"نہ اس پر اونگھ کا غلبہ ہوتا ہے اور نہ اس پر نیند آتی ہے"

پس جب تک انسان کے قلب و جگر سے محبت کا سرچشمہ نہ ابلے۔ جب تک دل کے اندر ایثار کا جذبہ پیدا نہ ہو' انسانیت کی اصلاح ناممکن ہے۔ وہ ایسی انسانی تربیت کرتے ہیں کہ اس میں بھائی کے لئے ایثار اور قربانی کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ محض قانون سے انسان کا علاج نہیں کرتے بلکہ وہ انسان کے اندر حقیقی انسانیت کا مظاہرہ (DEONSTRATION) کر کے یہ ثابت کر دیتی ہے کہ ہم معدہ' پیٹ اور سر کے غلام نہیں۔ وہ زبان حال سے اعلان کرتے ہیں کہ وہ شکم پرست' شوق پرست' دولت پرست' بادشاہ پرست یا اہل و عیال پرست نہیں جب تک ایسی قوم سامنے نہیں آتی انسانیت کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔

اگر کسی ملک میں ایسی قوم پیدا ہوتی ہے کہ سب کو نفع پہنچائے تو خود کو بھول جائے تو وہ انسانیت کو سدھار سکتی ہے تاریخ شاہد ہے کہ بڑے بڑے انسانیت کے خیر خواہ گزرے ہیں۔ لیکن نہ کسی اسٹیج پر آپ یہ پائیں گے کہ انہوں نے بالاخر اپنا انتظام کر لیا۔ ایسے بے شمار قوم کے سیوک گزرے ہیں۔ جنہوں نے قومی سدھار کا کام بڑی مشکلات میں شروع کیا۔ جیلیں کاٹیں' لیکن بالاخر جیل سے نکل کر حکومت کی کرسیوں پر جا بیٹھے۔ ان کا حق تھا انہیں مبارک ہو۔

لیکن اللہ کے پیغمبر دنیا سے بے داغ چلے گئے۔ انہوں نے دنیا کے آرام کی خاطر اپنا عیش تج دیا۔ انہوں نے سو فیصدی دوسروں کے فائدے میں بے آرام زندگی گزار دی اور ایک فیصدی بھی اپنا فائدہ نہیں اٹھایا۔ وہ ان کے صحابی اور ساتھی جہاں سے گزرے دنیا کو نہال کر دیا۔ دنیا آج تک ان کے لگائے ہوئے باغ کا پھل کھا رہی ہے۔ جسے انہوں نے اپنے خون سے سینچا تھا۔ جو دوسروں کے گھروں میں چراغاں کر گئے۔ لیکن ان کے گھر میں دنیا سے جاتے وقت اندھیرا تھا۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی عطا کی ہوئی روشنی جھونپڑوں اور شاہی محلوں میں یکساں جگمگائی۔ لیکن جاتے ہوئے ان کے گھر کا چراغ مانگے ہوئے تیل سے جل رہا تھا۔ آپ ﷺ فرماتے تھے "پیغمبر نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں۔ نہ ہمارا کوئی وارث ہوتا ہے ہم

جو کچھ چھوڑیں وہ سب غریبوں کا حق ہے"

اس سے بڑھ کر آپ کا ارشاد تھا کہ جو کوئی مرگیا اور وہ کچھ ترکہ چھوڑ گیا ہے تو وہ اس کے ورثاء کو مبارک ہو ہم اس میں سے کوئی ایک پیسہ نہ لیں گے۔ لیکن جو قرض چھوڑ گیا ہو تو وہ میرے ذمہ ہے میں اس کو ادا کروں گا۔ کیا دنیا کے کسی بادشاہ یا قائد نے یہ نمونہ چھوڑا ہے؟ آپ کی زندگی انسانیت کا شاہکار ہے۔ آپ دنیا کے سامنے ایسا نمونہ پیش کر گئے جس میں سوائے ایثار و محبت اور دوسروں کے غم میں گھلنے کے کہیں اپنا رتی برابر فائدہ نظر نہیں آتا۔ آپ عرب کے واحد بادشاہ تھے۔ دلوں پر ان کی بادشاہی تھی۔ لیکن دنیا سے دامن بچائے ہوئے بے منت چلے گئے آپ ہی نہیں بلکہ جو جتنا آپ سے قریب تھا اتنا وہ خطرے سے قریب اور فائدہ سے دور تھا آپ نے اپنی گھروالیوں سے علی الاعلان کہہ دیا کہ آپ دنیا کی بہار اور عیش چاہتی ہو تو ہم تم کو کچھ دے دلا کر اچھی طرح سے تمہارے گھروں کو رخصت کر دیں گے۔ تم وہاں واپس جاؤ اور آرام اور راحت کی زندگی بسر کرو اور ہم سے فارغ خطی لے لو۔ ہمارا ساتھ دینا ہے تو دکھ درد، تنگی ترشی برداشت کرنا ہے۔ یہی اس گھر کا تحفہ ہے اور اسی پر اللہ کے ہاں سے انعام ملے گا۔

دوستو! ہم چاہتے ہیں کہ پھر یہی زندگی عام ہو۔ انسانیت کی بے لوث خدمت اور بے غرض محبت کا رواج ہو۔ پھر دوسروں کے نفع کے لئے اپنے نقصان کو ترجیح دی جائے۔ پھر ایسی قوم پیدا ہو جو خطرہ کے موقع پر پیش پیش اور نفع کے موقع پر دور دور نظر آئے۔

آج دنیا کی ساری ریاستیں و حکومتیں اس محور پر گھوم رہی ہیں کہ قوموں اور طبقوں کو ہر طرح سے مطمئن کیا جائے اور خواہشات کی تسکین کی جائے۔ لیکن دانایان فرنگ یہ اصلاح و تسکین کا راستہ نہیں۔ یہاں ایک فرد کی خواہشات بھی پوری کرنا مشکل ہے۔ خواہشات کا یہ حال ہے کہ وہ لامتناہی ہیں اور دنیا کا یہ حال ہے کہ وہ محدود اور مختصر اور کروڑوں انسانوں میں مشترک ہے واقعات کی دنیا میں آکر دیکھئے تو اس دنیا میں درحقیقت ایک آدمی کی منہ مانگی خواہشات بھی پورا کرنے کی گنجائش نہیں۔ یہاں کسی بوالہوس کی ہوس پوری نہیں ہو سکتی۔ یہاں نفس کی تسکین کا خواہش مند پکار پکار کر کہہ رہا ہے

آج دنیا کے بڑے بڑے رہنما یہ کہہ رہے ہیں کہ انسانی خواہشات سب جائز اور فطری ہیں۔ سب کو پورا ہونا چاہئے۔ اور اسی پر ساری دنیا میں عمل ہو رہا ہے۔ یہی بنیادی غلطی ہے۔ خواہشات کی تسکین اور

تکمیل سے انسانیت کی تشفی نہیں ہو سکتی۔ خواہشات کی تسکین سے خواہشات میں کمی اور قلب میں سکون پیدا نہیں ہو گا۔ یہ تو سمندر کا پانی ہے۔ جس قدر اس سے پیاس بجھائی جائے پیاس بھڑکے گی۔ آج ساری دنیا میں حکومتیں' ادارے اور تہذیبیں اسی فلسفہ کے مطابق کام کر رہی ہیں۔ کہ انسانوں کی صحیح و غلط خواہشات کی تسکین کا سامان کیا جائے۔ قومیں' طبقے' جمہور اور افراد جو کچھ مانگیں ان کو دیا جائے۔ اس سے سکون پیدا ہو گا۔ امن قائم ہو گا۔ لیکن نتیجہ بالکل الٹا ہے۔ آج ہر طرف آگ لگی ہوئی ہے۔ دل کی لگی کسی سے بجھتی نہیں' خواہشات کا ایک الاؤ جل رہا ہے اور اس میں ہر قوم ایندھن ڈالتی جا رہی ہے اور اس کو ہوا دے رہی ہے۔ آج اس کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے ہیں اور قوموں اور ملکوں کی طرف لپک رہے ہیں۔ لوگ اس آگ کی شکایت کرتے ہیں مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ آگ کس نے جلائی۔ یہ الاؤ کس نے روشن کیا' اس پر تیل کس نے چھڑکا' اس میں ایندھن کون ڈال رہا ہے۔ خواہشات کی تکمیل اور تسکین کے راستہ کا یہی انجام اور منزل ہے

لطیفہ یہ ہے کہ یہی لوگ جو قوم کی ہر خواہش کو پورا کرنا ضروری سمجھتے ہیں اور اس کے لئے تفریح و تسکین کا سامان بہم پہنچانا ضروری جانتے ہیں۔ اپنی اولاد کے ساتھ یہی معاملہ نہیں کرتے۔ اس کی بہت سی غلط اور مضر خواہشات کی روک تھام کرتے ہیں۔ بچہ اگر آگ سے کھیلنا چاہے تو نہیں کھیلنے دیتے۔ لیکن وہ ان قوموں کی ہر خواہش اور فرمائش کو پورا کرنے کے لئے تیار ہیں جو وہ کریں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو اپنی رعایا سے اپنی اولاد کی طرح ہمدردی نہیں۔ یہی لوگ جو قوموں پر حکومت کرتے ہیں۔ ان کو خوش رکھنے کے لئے اور ان کے افراد سے رائے حاصل کرنے کے لئے ہر غلط اور صحیح خواہش کی تکمیل ضروری سمجھتے ہیں۔ آج کسی ملک میں کوئی ایسی جماعت نہیں اور کسی شخص میں یہ اخلاقی جرات نہیں کہ وہ تفریحات اور تعیشات پر تنقید کرے۔ لہو و لعب کے بڑھتے ہوئے ذوق' تماش بینی' موسیقی' رقاصی اور مصوری کے حد سے بڑھتے ہوئے شوق اور انہماک پر اعتراض کرے۔ آج کوئی ایسی قوم نہیں جو ان چیزوں پر ضروری پابندیاں عائد کرے اور قوم اور اہل ملک کی ناراضگی مول لے۔

اللہ کے پیغمبروں کا راستہ اس سے بالکل مختلف ہے۔ انہوں نے جائز اور ناجائز خواہشات کی تکمیل اور تسکین کی بجائے۔ خواہشات کو لگام دی۔ انہوں نے خواہشات کے رخ کو موڑا اور صرف جائز خواہشات کو اس کا مستحق سمجھا کہ ان کی تکمیل کی جائے۔ انہوں نے زندہ اور بیدار ضمیر پیدا کیا۔ اس سے زندگی میں اعتدال اور دلوں میں سکون پیدا ہوا۔ تمہاری درس گاہوں' تمہاری تجربہ گاہوں

(LABORATORIES) تمہاری سائنس نے دنیا کو بہت کچھ دیا۔ انہوں نے حیرت انگیز ایجادوں کو جنم دیا۔ لیکن انسان کو پاک ضمیر نہیں دیا۔ تمہارے ان اداروں نے انسان کے ہاتھ کھول دیے۔ بچوں کو ہتھیار تو دیئے لیکن ان کی تربیت نہیں کی۔ آج وہ نادان بچے خوشیاں کر رہے ہیں۔ اور آزادانہ ان ہتھیاروں کا استعمال کر رہے ہیں۔

اللہ کے پیغمبروں نے خواہشات پر پہرے بیٹھائے۔ خواہشات میں توازن اور اعتدال پیدا کیا۔ نفسانی خواہشات کے بجائے اللہ کو راضی کرنے کی زبردست خواہش پیدا کی۔ انسانی ہمدردی اور غمگساری کا جذبہ پیدا کیا۔ انہوں نے چیزیں ایجاد کر کے نہیں دیں۔ مگر انہوں نے وہ ذہنیت پیدا کی جس سے خدا کی بنائی ہوئی اور انسان کی تیار کی ہوئی چیزوں کو استعمال کرنے کی صلاحیت پیدا ہو۔ انہوں نے ضمیر بخشا' یقین بخشا۔ آج دنیا کے پاس سب کچھ ہے۔ یقین نہیں ہے۔ آج دنیا کے کارخانے سب کچھ پیدا کر سکتے ہیں۔ لیکن یقین پیغمبروں کے کارخانے سے ملتا ہے۔ آج دنیا خدا سے ڈرنے والوں سے خالی ہے۔ یقین سے خالی ہے انسانیت کی بے لوث خدمت کون کرے' خدا کا خوف اور اس کی رضا کا یقین۔ اس کے کنبے کی بے لوث خدمت کا جذبہ ہے۔ انسانیت کے ایسے خادم ہر نعرہ سے دور' حکومت کے لالچ سے الگ' سیاسی جوڑ توڑ سے بیزار' بے لوث خدمت کرتے ہیں۔ آج ایسے ہی خدمت گاروں کی ضرورت ہے۔ جن کے پاس کچھ نہ ہو۔ پھر بھی کچھ نہ لینا چاہیں۔ بلکہ دینا ہی چاہیں۔

ہم لوگوں میں اس جذبہ کو پیدا کرنا چاہتے ہیں اور ان میں ان حقیقتوں کی پیاس پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ زندگی محض کھانے پینے کا نام نہیں۔ انسان کی زندگی محض مادی یا حیوانی زندگی کا نام نہیں' دراصل یہ بات نئی نہیں۔ دنیا کے سب پیغمبر جو ہر قوم میں آئے۔ یہی پیغام لائے اور سب سے زیادہ طاقتور اور وضاحت کے ساتھ حضور ﷺ نے آخری طور پر یہ بات کہی' یہ حقیقت چوراہوں پر کہنے کے لائق ہے۔ لوگ پیٹ کے گرد چکر لگا رہے ہیں۔ اصل زندگی دم توڑ رہی ہے۔ انسانیت کی پونجی لٹ رہی ہے۔ ہم ایک صدا لگانے آئے ہیں حق کی صدا' دنیا اس صدا سے نامانوس ہے مگر ہم دنیا سے مایوس نہیں۔ انسانوں کے پاس اب بھی ضمیر ہے۔ یہ ضمیر مردہ نہیں ہوا۔ اس پر گرد و غبار آگیا ہے۔ اگر وہ گرد و غبار جھاڑ دیا جائے اور اس کو آلودگی سے صاف کر دیا جائے تو اب بھی اس کی گنجائش ہے کہ وہ حق کو قبول کر لے اور اس میں ایمانی شعور پیدا ہو۔ (از تعمیر انسانیت)

(مرسلہ! عتیق الرحمان)

قرآن مجید فہم و تدبر سے پڑھنے کی اہمیت

ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ

الر کتب انزلنه الیک لتخرج الناس من الظلمت الی النور

"الر ۔۔۔۔ یہ کتاب ہے جو ہم نے تمہاری طرف نازل کی تاکہ تم لوگوں کو اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لے آئے" (ابراہیم ۱)

قرآن پاک سرچشمہ ہدایت ہے اور بارگاہ ایزدی تک پہنچنے کا وسیلہ بھی۔ لیکن اس کا فیض ہم تک صرف اس صورت میں پہنچے گا اگر ہم اس میں تدبر و تفکر کریں اور اس کی تعلیمات کی روشنی میں اپنی زندگیوں کو ڈھالنے کی کوشش کریں۔ ہم پر قرآن پاک کے چند حقوق ہیں۔ ان میں سے ایک حق اس کی تلاوت کا ہے۔ یہاں تلاوت سے مراد صرف پڑھ لینا ہی نہیں بلکہ اس میں غور و فکر کرنا اور پھر اس کی پیروی کرنا مقصود ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

افلا یتدبرون القران ام علی قلوب اقفالها

"قرآن میں یہ لوگ کیوں تدبر نہیں کرتے کیا ان لوگوں کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں؟" (محمد 24)

قرآن پاک وہ کتاب ہے جو تمام آسمانی صحائف اور کتابوں کا نچوڑ ہے۔ دنیا میں جتنے بھی رسول اور پیغمبر آئے' ان پر اللہ تعالیٰ نے صحائف اور کتابیں نازل کیں جو مختلف قوموں میں آباد مختلف علاقوں پر اتاری گئیں۔ قرآن حکیم ان سب کتابوں اور صحائف کا لب لباب ہے اور حتمی صورت میں آچکا ہے کلام الٰہی کی تاثیر کے بارے میں قرآن ہی میں ارشاد ہوتا ہے۔

لو انزلنا هذا القران علی جبل لرایته خاشعا متصدعا من خشیه الله

"اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کر دیتے تو تم اسے دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے ریزہ ریزہ ہو رہا ہے" (الحشر 21)

لیکن انسان اسی قرآن سے صرف نظر کرتا ہے اور اس کو دل کی گہرائیوں میں اترنے نہیں دیتا جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس کا دل پتھر بن جاتا ہے۔

سورۃ بقرہ میں فرمان ہے

ثم قست قلوبکم من بعد ذلک

"پھر تمہارے دل پتھروں کی طرح سخت ہو گئے" (البقرہ 84)

بلکہ اگر کہا جائے کہ دل پتھر سے زیادہ سخت ہو گئے تو زیادہ درست ہو گا۔ کیونکہ پتھر تو اللہ جل شانہ کے خوف سے ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں اور ان سے پانی کے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں' لیکن انسانوں کے دل تو پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتے ہیں کہ وہ اپنے حقیقی خالق و مالک کے کلام کو نہ توجہ سے سنتے ہیں اور نہ غور سے پڑھتے اور سمجھتے ہیں' جس کی وجہ سے نہ تو ان کے دلوں سے کوئی چشمہ پھوٹتا ہے اور نہ ہی کسی کو فیض ملتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا

از تلاوت بر تو حق دارد کتاب
تو ازو کامے کہ می خواہی بیاب

قرآن پاک ہمارے دستور حیات کی حیثیت کا حامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جب زمین پر اپنا خلیفہ اور نائب بنا کر بھیجا تو اس وقت فرمایا

فاما یاتینکم منی ھدی فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون

"دیکھو جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو (اس کی پیروی کرنا کہ) جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی' ان کو نہ خوف ہو گا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔" (البقرہ 38)

مختلف زمانوں اور مختلف ادوار میں انسانوں پر جو ہدایات' احکامات اور تعلیمات نازل ہوتی رہی ہیں' ان سب کا نچوڑ قرآن مجید میں موجود ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

ھو الذی بعث فی الامین رسولا منھم یتلوا علیھم ایتہ و یزکیھم ویعلمھم الکتب والحکمہ وان کانوامن قبل لفی ضلل مبین O

"وہی تو ہے جس نے (عرب کے) ناخواندہ لوگوں میں انہی (کی قوم) میں سے (محمد ﷺ کو) پیغمبر (بنا کر) بھیجا جو ان کو اللہ کی آیات پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو پاک کرتے ہیں اور (اللہ کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں اور اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے" (الجمعہ 2)

ان چار کاموں کی تشریح

قرآن مجید میں یہ آیت چار جگہوں پر آتی ہے۔ اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو ان چار کاموں کے لئے بھیجا گیا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے یہ چار کام لوگوں کو کر کے دکھائے۔

1۔ تلاوت آیات

سب سے پہلے قرآن کی تلاوت فرمائی اور اتنے موثر انداز میں فرمائی کہ پورے عرب کا منہ بند ہو گیا اور بڑے بڑے شاعروں کی حیثیت ماند پڑ گئی۔ زمانہ جاہلیت کا ایک شاعر جس کے شعر سننے پر لوگ سجدے میں گر جایا کرتے تھے' اس سے پوچھا گیا کہ تم نے شعر کہنا کیوں بند کر دیئے؟ وہ کہنے لگا۔ ابعد القرآن "کیا قرآن کے بعد بھی کسی شاعری کی گنجائش رہ گئی؟"

سب سے پہلے حضور ﷺ نے قرآن مجید کی خود تلاوت کی اور لوگوں سے کروائی۔ لیکن تلاوت تدبر اور تذکر کے ساتھ! ویسے بھی وہ لوگ عرب تھے' اس لئے قرآن پاک کو سمجھ کر پڑھا کرتے تھے۔

2۔ تزکیہ

دوسرا کام یہ کیا کہ تلاوت قرآن کے ذریعہ تزکیہ قلوب اور تطہیر نفوس کا عمل عظیم پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ سورہ مزمل کی ابتدائی آیات سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کی تربیتی کورس میں اہم ترین بات یہ تھی کہ وہ نصف شب یا اس سے کم و بیش اللہ تعالیٰ کے حضور قیام کریں اور نوافل کے دوران میں ترتیل کے ساتھ تلاوت قرآن کرتے رہیں۔ یہ عمل صحابہ کرامؓ پر تقریباً ڈیڑھ سال تک فرض رہا۔ پھر سنت موکدہ کے درجے میں آگیا۔ حضور اکرم ﷺ پر یہ عمل پوری زندگی فرض رہا۔ آپ ﷺ تلاوت کے دوران میں رحمت کی آیات پہ رحمت کی دعائیں مانگتے' غصہ و غضب کی آیات پر اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے۔ یوں تلاوت و دعا آپس میں مل جاتیں اور شدید گریہ کی کیفیت طاری ہوتی۔ اس کیفیت کو تزکیہ و تطہیر کا بہترین ذریعہ قرار دیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

یاایھا الذین المزمل ○ قم الیل الا قلیلا○ نصفه اوانقص منه قلیلا○ اوزد علیه ورتل القران ترتیلا○ انا سنلقی علیک قولا ثقیلا○ ان ناشئة الیل ھی اشد وطا و اقوم قیلا○

"اے کپڑوں میں لپٹنے والے! رات کو قیام کیا کرو مگر تھوڑی سی رات (یعنی) نصف رات یا اس سے کچھ کم یا نصف سے کچھ زیادہ اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو۔ ہم عنقریب تم پر ایک بھاری فرمان نازل کریں گے (مراد قرآن پاک ہے) کچھ شک نہیں کہ رات کا اٹھنا (نفس حیوانی کو) سخت پامال کرتا ہے اور اس وقت ذکر بھی درست ہوتا ہے" (المزمل 1تا6)

قرآن کے متعلق فرمایا گیا

شفاء لما فی الصدور

"دلوں میں جو بیماریاں ہیں ان کے لئے شفاء ہے" (یونس:57)

3۔ تعلیم الکتاب

تیسرا کام یہ کیا کہ ان کو اللہ کی کتاب کی تفصیل کے ساتھ تعلیم دی اور اس سے متعلقہ احکام بتا دیئے کہ یہ تمہارے کرنے کے کام ہیں اور یہ نہ کرنے کے کام ہیں' یہ ضروری و جائز ہیں اور یہ حرام ہیں۔

تیسرا کام یعنی "تعلیم الکتاب" پندرہ سال بعد اپنے جوبن پر آیا۔ تیرہ سال مکہ میں اور پھر دو سال مدینے میں گزار دیئے۔ اس کے بعد قرآن کے احکامات نازل ہونا شروع ہوئے کہ حلال اور حرام کیا ہے؟

حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے "اپنی ساری عبادتیں اور مناسک مجھ سے لے لو" (مسلم)
مناسک اور احکام شریعت کی تفصیلی تعلیم اسی زمانے میں دی گئی۔ کیونکہ ان پر صحیح طور پر عمل اسی صورت میں ممکن تھا جب ایک اسلامی معاشرہ اپنے ارتقاء کی منازل طے کرنے کے بعد تشکیل پا چکا ہو۔

4۔ تعلیم الحکمتہ

چوتھا کام یہ کیا کہ لوگوں کو اللہ جل شانہ کی اس کتاب کے مطابق زندگی گزار کے دکھا دی کہ زندگی گزارنے کا حکیمانہ اور دانشمندانہ طریقہ یہ ہے اسے سنت کہتے ہیں۔ سنت سے مراد تین چیزیں ہیں۔

1- حضور اکرم ﷺ کا قول

2- آپ ﷺ کا عمل

3- کسی معاملہ میں آپ ﷺ کی خاموشی۔ یعنی آپ ﷺ نے کوئی بات یا کوئی عمل ہوتے ہوئے دیکھا یا سنا اور اس سے منع نہیں فرمایا بلکہ اسے برقرار رکھا۔ اسے "تقریر" کہتے ہیں۔

غور طلب امر

ایک غور طلب امر یہ ہے کہ یہی اول الذکر دو کام ہیں جو ہم نے چھوڑ دیئے ہیں۔ ثانی الذکر دو کام یعنی تعلیم الکتاب اور تعلیم الحکمۃ جو کہ پہلے دو کاموں کے بغیر نہیں ہو سکتے' ان پر ہم زور دے رہے ہیں اور وہ بھی ناقص طریقے سے۔ مزید برآں دینی مدرسوں میں فنون تو پڑھائے جاتے ہیں یعنی منطق' فلسفہ' ہیت' ریاضی وغیرہ لیکن قرآن و سنت کی تدریس میں کوتاہی ہو رہی ہے۔ دوسری جانب یونیورسٹی میں بی اے کی سطح پر "اسلامیات" موجود ہے لیکن قرآن نصاب سے خارج ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آٹھ دس سال کی محنت شاقہ کے بعد جو شخص تعلیم سے فارغ ہو کر نکلتا ہے' اسے سب کچھ آتا ہے مگر وہ قرآن سے نابلد ہوتا ہے' قرآن پڑھنے پڑھانے کا ذوق اس میں سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتا۔ چونکہ تلاوت اور تزکیہ کا کام بالکل صفر ہے۔ اس لئے اس میں یہ ذوق فراواں نہیں ہوتا کہ وہ قرآن مجید کو شروع سے آخر تک پڑھے تو اس کی روح پھڑک اٹھے' یا وہ قرآن کو صبح' شام اور سونے سے پہلے پڑھے' اس کی آیات پر غور و فکر کرکے آنسو بہائے یا پھر ایسا ذوق و شوق ہو کہ قرآن کی آیات اس سے باتیں کریں وہ اللہ سے ہمکلام ہونے لگے۔ قرآن تو اللہ کا کلام ہے' آپ اگر اسے سمجھ کر پڑھیں گے تو ایک ایک آیت مبارکہ سمجھ میں آتی چلی جائے گی۔ جب انسان اللہ سے ہم کلام ہو گا تو اس سے اس کی شخصیت پاک ہوتی چلی جائے گی۔

یہ کام ہم سے چھوٹ گیا ہے اور ہم سے کیا پورے عالم اسلام میں یہ کام نہیں ہو رہا۔ لوگ تلاوت کرتے ہیں مگر بغیر سوچے سمجھے' بغیر فکر و تدبر کے اور جنہوں نے کچھ عربی زبان پڑھ لی ہے اور قرآن کو سمجھنے لگے ہیں تو انہوں نے چند آیات مناظرے کے لئے سنبھال کر رکھی ہوئی ہیں۔ باقی قرآن ان کے نصاب ہی سے خارج ہے حالانکہ قرآن کے بارے میں تو یہ کہا گیا ہے۔

ان فی ذلک لذکری لمن کان له قلب او القی السمع وھو شھید○

"جو شخص دل (آگاہ) رکھتا ہے یا دل سے توجہ ہو کر سنتا ہی اس کے لئے اس میں نصیحت ہے"

(سورہ ق 37)

تبصرۃ وذکری لکل عبد منیب○

"رجوع کرنے والے بندے کے لئے یہ ہدایت اور نصیحت (کا پیغام) ہے" (سورہ ق 8)

یعنی قرآن ہر رجوع کرنے والے بندے کی آنکھیں کھول دینے والا اور دل میں اللہ کی یاد بٹھا دینے والا کلام ہے۔ کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ ایک دفعہ قرآن کو سمجھ کر پڑھ لیا جائے اور پھر اسے حرز جاں بنالیا جائے۔

ایک اہم واقعہ

راقم جب سعودی عرب میں پڑھاتا تھا تو اس دوران میں ایک بی اے کا عرب طالب علم آیا اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ کہنے لگا میں اتنی شدید پریشانیوں میں مبتلا ہوں کہ زندگی سے بیزار ہو چکا ہوں۔ آپ سے اللہ کے نام پر محبت ہے اور جو کچھ میں آپ کو بتا سکتا ہوں کسی اور کو نہیں بتا سکتا۔ آپ میرے لئے کچھ تجویز کریں، کوئی وظیفہ یا دعا فرمائیں۔ میں نے جب اس کی محبت اور لجاجت بھری کیفیت دیکھی تو میں نے کہا کہ ابھی ابھی اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ایک بات ڈالی ہے، میری بات کو غور سے سننا اور اس پر عمل کرنے کی سعی کرنا۔ تمہیں جو بھی پریشانی ہے اور جس عذاب سے بھی تم گزر رہے ہو، تمہیں اس میں نجات کا راستہ مل جائے گا۔ میں نے اسے بتایا کہ عرب ہونے کے ناطے عربی سے تو واقف ہو، ایسا کرو کہ قرآن کو ابتداء سے سمجھ کر پڑھنا شروع کر دو، لیکن آنکھیں کھول کر، بقائمی ہوش و حواس اور دل کے دروازے کھول کر پڑھنا۔ یونہی پڑھتے پڑھتے تمہارے سامنے ایک آیت آجائے گی اور یہ آیت تمہیں خود بتائے گی کہ میں تمہارا علاج ہوں۔ اس آیت کو بار بار پڑھتے رہنا۔ جب طبیعت سیر ہو جائے تو پھر آگے چلنا، تلاوت کرتے جانا۔ پھر ایک آیت آئے گی جو تم کو خود سے ہمکلام ہوتی ہوئی محسوس ہو گی، خود تمہیں پکارے گی مجھے پڑھو۔ میں تمہارا علاج ہوں۔ اس آیت کو بار بار پڑھنا۔ تمہیں کسی سے پوچھنے کی قطعاً حا

نہیں ہو گی۔ خود وہ آیت تمہیں کہے گی کہ مجھے بار بار پڑھو۔ تم وہاں رک کر کثرت سے اس کی تلاوت کرنا' بار بار دل کی گہرائی سے' محبت اور تڑپ سے پڑھنا اور جب طبیعت میں خنکی اور سیری محسوس ہونے لگے تو آگے چل دینا اور یونہی چلتے چلتے قرآن مجید ختم کر لینا' پھر آ کے مجھے ملنا۔

وہ طالب علم یہ عمل کرنے کے بعد میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ "اگر مجھے ڈر نہ ہوتا کہ آپ مجھے تھپڑ ماریں گے تو میں آپ کے پاؤں چوم لیتا۔ میرے گھر کے اندر میرا علاج موجود تھا اور مجھے علم ہی نہ تھا" کہنے لگا کہ تمام مسائل حل ہو گئے ہیں اور اب میں انشاء اللہ قرآن کو یونہی پڑھتا رہوں گا۔ ایک بات یہ ہے کہ اس کو ایک ملکہ حاصل تھا کہ وہ قرآن کریم کی زبان جانتا تھا۔ مفہوم جاننے کے بعد اس نے قرآن کو آنکھیں کھول کر پڑھا' ایک ایک آیت کو ٹھہر ٹھہر کر اور سمجھ سمجھ کر پڑھا' تو اس کے سارے مسائل حل ہو گئے۔ معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی یہ آیات اللہ تبارک و تعالیٰ کے پیغامات ہیں۔ یہ اللہ کی ٹیلی گرامز ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم ان کو کبھی پڑھ کر نہ دیکھیں۔ تلاوت اور تزکیہ کا عمل کرنے کی بجائے ہم تعلیم الکتاب اور تعلیم الحکمت کی طرف سے ابتدا کرتے ہیں۔ اگرچہ اس عمل کو بہت کم لوگوں نے کیا ہے لیکن جتنے لوگوں نے بھی کیا' میں ان کی خدمت میں عرض کروں گا کہ ٹھیک ترتیب سے آئیے۔ پہلا کام قرآن پاک کی آیات کی تلاوت کا ہے۔ اپنے شاگردوں کو اتنی عربی پڑھایئے کہ وہ قرآن مجید کو سمجھ کر اس کی تلاوت کر سکیں۔ جب قرآن مجید پڑھیں تو اس فرقان حمید کی آیات ان سے ہم کلام ہوں۔ وہ کچھ سمجھ کے پیغام وصول کر رہے ہوں' بات ان کے دلوں میں اتر رہی ہو۔ اس عمل کے بغیر شاید تلاوت کا ثواب حاصل ہو جاتا ہو لیکن مقصد فوت ہو جاتا ہے۔

قوموں کے عروج و زوال کا معیار

اب ایک دوسرا غور طلب قاعدہ بیان کرتا چلوں جسے میرے آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے عمر بن خطاب ؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

ان اللہ یرفع بھذا الکتاب اقواما ویضع بہ اخرین

"بے شک اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے سے بعض قوموں کو رفعت و بلندی عطا فرما دیتے

ہیں اور اسی کتاب کو چھوڑ دینے کی وجہ سے بعض قوموں کو نیچے گرا دیتے ہیں" (مسلم)

یعنی پیمانہ اس کتاب کو بنایا گیا ہے جو بھی اس کتاب کے جتنا قریب ہو گا' اتنا ہی بلند ہوتا چلا جائے گا اور جو اس کتاب سے جتنا دور ہو گا اتنا ہی نیچے گرتا چلا جائے گا۔ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی ایک سنت اور ہمارے لئے ایک مستقل راستہ بنا دیا ہے اب پورے عالم اسلام پر نظر ڈالئے قرآن پاک کو سمجھ کر پڑھنے والے کتنے لوگ ہیں؟ کتنے لوگ ہیں جنہوں نے زندگی میں ایک مرتبہ بھی پورا قرآن سمجھ کر پڑھ لیا ہو۔

مولانا مفتی محمد شفیعؒ سے ایک دفعہ بات ہوئی۔ عرض کیا! قرآن مجید کو کتنا پڑھنا چاہیے؟ کہنے لگے "بھئی احادیث کا مطالعہ کر کے دیکھو' کوئی صحابہ تمہیں ایسا نظر آتا ہے جو قرآن مجید کو ختم کرنے میں سات دن سے زیادہ صرف کرتا ہو؟ اسی لئے قرآن مجید کی سات منزلیں بنائی گئی ہیں تاکہ قرآن مجید سات دنوں میں ختم ہو جائے"

تلاوت قرآن کے بارے میں ایک بہت عظیم الشان اور مشہور حدیث ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"جس نے اللہ کی کتاب سے ایک لفظ پڑھا' اس کے لئے ایک نیکی ہے اور ایسی نیکی کہ جس کا درجہ دس کے برابر ہے۔ یعنی ایک حرف پر دس نیکیاں اور میں یہ نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے' لام دوسرا حرف جب کہ میم تیسرا حرف ہے" (ترمذی)

یہ لفظ ادا کیا تو تیس نیکیاں مل گئیں۔ اب اسی حدیث کا مطالعہ دیگر احادیث سے ملا کر کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اگر یہی تلاوت وضو کر کے کی جائے تو دس کی بجائے چالیس نیکیاں ملیں گی۔ اگر یہی تلاوت نماز کے اندر کی گئی ہو تو ہر حرف پر پچیس کی بجائے پچاس نیکیاں ملیں گی۔

عن ابی ذر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا ابا ذر لئن تغدو تتعلم ایہ من القران خیر لک من ان تصلی ماتہ رکعہ (ابو داؤد)

ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ "اے ابوذر! اگر صبح اٹھتے ہی قرآن مجید کی ایک آیت سیکھ لے (اسے باترجمہ پڑھ کر اس کا مفہوم جان لے) تو وہ

تیرے لئے سو رکعت نوافل پڑھنے سے زیادہ بہتر ہے" (ابوداؤد)

حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ایک مجلس میں انہیں بہت سی نصیحتیں فرمائیں، ان میں سے ایک نصیحت یہ بھی تھی کہ

"کسی حال میں بھی قرآن مجید کی تلاوت نہ چھوڑنا"

یہاں ایک اہم بات عرض کرتا چلوں کہ میں یہاں تلاوت و قرات کی بات کر رہا ہوں، تفسیر کی بات نہیں کر رہا۔ صحابہ کرامؓ نے تلاوت قرآن کا کام کثرت سے کیا ہے۔ جب کہ تفسیر کا کام تو بہت کم صحابہ کرامؓ نے کیا ہے۔ ایک صحابی بھی ایسا نہیں جو روزانہ قرآن مجید کو سمجھ کر نہ پڑھتا ہو اور ہفتے میں ایک مرتبہ قرآن مجید ختم نہ کر لیتا ہو اور تلاوت ہمارے یہاں کے حفاظ کی طرح جلدی جلدی نہیں کی جاتی تھی بلکہ ترتیل سے ہوتی تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

ورتل القران ترتیلا۝

"قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھو (اس طرح کہ ایک ایک حرف الگ الگ ہو)" (مزمل ۴)

قابل توجہ بات یہ ہے کہ اگر اس سے بڑا کوئی اور عمل ہوتا تو محمد رسول اللہ ﷺ ضرور اسے اختیار فرماتے اور صحابہ کرامؓ کو بھی اسی پر مامور فرماتے۔ لیکن آپؐ نے زندگی بھر یہی کام کیا۔ آپ نے زیادہ سے زیادہ تلاوت قرآن کا عمل اختیار کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

یایہا المزمل۝قم الیل الا قلیلا۝نصفہ اوانقص منہ قلیلا۝ورتل القران ترتیلا۝

"اے اوڑھنے والے! رات کو قیام کیجئے۔ آدھی رات یا اس سے کچھ کم یا اس سے کچھ زیادہ اور اس قیام کے دوران میں قرآن مجید کو ٹھہر ٹھہر کے پیار اور محبت سے اور فکر و تدبر سے پڑھیئے"

حضور ﷺ نے زندگی بھر صرف یہی کام کیا۔ آپ کے مختلف مواقع پر کیئے جانے والے وظائف اپنی جگہ لیکن مستقل اور ہمیشہ کا وظیفہ قرآن مجید تھا۔ اس کو ٹھہر ٹھہر کے آرام اور توجہ سے دل لگا کر پڑھنا، ایک ایک حرف، ایک ایک آیت اور ایک ایک لفظ کو اپنے دل کے اندر اتار کر پڑھنا، محمد رسول اللہ ﷺ کا زندگی بھر یہی معمول رہا اور یہی معمول صحابہ کرامؓ کا تھا۔

صحابہ کرامؓ کی روحانیت

صحابہ کرام ؓ کی روحانیت تین کاموں پر مبنی تھی۔ نماز' تلاوت اور جہاد باقی سب کام بھی ساتھ ساتھ چلتے لیکن ان کا درجہ ثانوی ہو جاتا۔ فرض نماز کو باجماعت ادا کرنے پر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے جس قدر زیادہ زور دیا ہے' اس سے زیادہ کسی بات پر زور نہیں دیا۔ اس کے بعد کثرت تلاوت میں تمام صحابہ ایک دوسرے سے سبقت فرماتے۔ ان کی تلاوت یہ تھی کہ تدبر اور تذکر کے ساتھ پڑھتے تھے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

کتب انزلنه الیک مبرک لیدبروا ایته ولیتذکر اولوا الالباب ○

"یہ کتاب جو ہم نے تم پر نازل کی ہے بابرکت ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور عقل والے اس سے نصیحت حاصل کریں (اس کے مطابق زندگی گزاریں)" (ص-29)

جہاد کی ابتداء یہ ہے کہ آدمی دین سیکھنا اور سکھانا شروع کر دے اور انتہا یہ ہے کہ اس کام میں جان قربان کر دے۔ باقی درمیان کے سب درجے جہاد شمار ہوتے ہیں۔ مگر ہم نے ان تینوں کاموں کا یہ حشر کیا کہ ان کو چھوڑ دیا۔ نماز کے بارے میں حدیث شریف میں ہے

"تمہاری نماز میں تمہارا حصہ وہی ہے جو تم نے سمجھ کے پڑھا"

یہ کوئی جنتر منتر تو ہے نہیں کہ اسے بغیر سوچے سمجھے پڑھ لیا۔ اس مرحلے سے ذرا اور آگے بڑھے تو یہ حال ہو گیا کہ فرض نماز آئی اور گزر گئی۔ آج کل بڑے بڑے بزرگ بھی یہی عمل کرتے نظر آتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ نماز چھوٹ گئی۔ یہاں تک کہ اب ان میں سے بعض کو (نعوذ باللہ) نماز کی حاجت نہیں۔ سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کو زندگی کے آخری لمحے تک نماز کی حاجت رہی۔ مرض الموت تک مسجد میں اس طرح تشریف لاتے کہ دو صحابہ کرام ؓ نے دائیں اور بائیں سے سہارا دے کر تقریباً اٹھایا ہوا ہوتا اور آپ ﷺ کا پاؤں زمین پر گھسٹتا ہوا چلتا اور گھر سے لے کر مسجد کی صف تک پاؤں کے انگوٹھے سے ایک لکیر سی کھنچ جاتی۔ غرضیکہ آخری لمحہ تک نماز نہ چھوٹی۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین تلاوت کرتے ہوئے گھنٹوں تک روتے رہتے تھے

اور انہیں تلاوت کرتے ہوئے وجد آ جایا کرتا تھا۔ امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ پوری رات ایک آیت کی تلاوت کرتے رہے اور روتے رہے یہ سورہ یاسین کی آیت تھی۔

وامتازوالیوم ایھا المجرمون O

"اے مجرمو! آج تم علیحدہ ہو جاؤ" (یاسین 59)

حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین کے ذوق کا یہ عالم تھا کہ انہیں وجد بھی قرآن مجید کی آیات پر آتا اور آنسو قرآن کی آیات کی وجہ سے بہتے تھے ایک صحابیؓ سے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے قرآن مجید سناؤ۔ انہوں نے تلاوت کی تو حضور ﷺ رونے لگے۔

حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے کیا خوب بات کہی۔

صوفی پشمینہ پوش و حال مست
از شراب نغمہ قوال مست

ترجمہ! ہمارے ہاں کا صوفی جس نے پشمینہ پہن رکھا ہے' عجب حال میں مست ہو گیا ہے۔ اسے قرآن پر وجد نہیں آتا لیکن جب قوال کو سنتا ہے تو اسے وجد آنے لگتا ہے۔

آتش از شعر عراقی در دلش
در نمی سازد بقرآں محفلش

ترجمہ! "عراقی کے شعر سے تو اس کے سینے میں آگ بھڑکتی ہے۔ اس کی محفل میں اگر کوئی چیز جگہ نہیں پاتی تو وہ قرآن ہے"

بایا تش ترا کارے جز ایں نیست
کہ از یاسین او آساں بمیری

ترجمہ! قرآن کی آیات سے تمہیں بس اتنا کام رہ گیا ہے کہ سورۃ یاسین پڑھو اور تمہیں مرنے میں آسانی ہو جائے

بغیر سمجھے تلاوت قرآن کی حیثیت

تلاوت قرآن کے نتیجہ میں ثواب سے متعلق جتنی احادیث ہیں' یہ اس دور کی ہیں جب غیر

عرب لوگ بھی دین اسلام کے دائرے میں داخل ہو رہے تھے۔ مثلاً حضرت سلمان فارسیؓ عربی نہیں جانتے تھے۔ ان سے کہا گیا کہ تلاوت نہ چھوڑو۔ ہاں، جب عربی زبان سیکھ جاؤ تو سمجھ کے پڑھ لینا۔ کچھ ایرانیوں نے اسلام قبول کیا۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ ان کے لئے نماز کا ترجمہ فارسی میں کر دو۔ یہ اس لئے کہا گیا کہ وہ لوگ نماز کو پورے فہم کے ساتھ ادا کریں۔ اس دوران میں انہیں اتنی عربی آ گئی کہ وہ نماز کو سمجھ کے ادا کرنے لگے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے انہیں فارسی میں نماز پڑھنے کی اجازت صرف قلیل مدت کے لئے مرحمت فرمائی تاکہ اتنے عرصہ میں یہ لوگ عربی میں شدبد حاصل کر کے عربی میں نماز پڑھنا سیکھ لیں۔ ایسے ہی وہ ساری احادیث ہیں جن میں فرمایا گیا کہ قرآن مجید کی تلاوت بغیر ترجمہ کے جائز ہے۔

سیدھی سی بات ہے قرآن مجید دنیا میں اس لئے نازل کیا گیا کہ اس کی تلاوت کی جائے۔ اس کو سمجھا جائے اور اس پر عمل کیا جائے، اگر عربی سے ناواقفیت خدانخواستہ سرے سے ترک قرآن کا سبب بننے لگے تو ایسی صورت میں اجازت دی جاتی ہے کہ جب تک عربی زبان نہیں آتی اس وقت تک کے لئے قرآن کو بالکل نہ چھوڑو، بلکہ جیسے بن پڑتا ہے، بلا ترجمہ تلاوت کرتے جاؤ، پھر بھی اجر ملے گا۔ اگر عربی زبان کے ابجد سے بھی آگاہ نہیں تو فرمایا کہ عربی زبان اور اس کی ابجد کو جلد از جلد سیکھ لو لیکن اس دوران میں بھی قرآن مجید فرقان حمید سے کنارہ کشی اختیار نہیں کرنا۔ قرآن کو اٹھا کے حسرت کی نگاہوں سے صفحہ بہ صفحہ الٹ پلٹ کے دیکھتے رہنا۔ ارشاد رسول اکرم ﷺ ہے

"قرآن پر نظر ڈالنا بھی عبادت ہے"

لوگوں نے زندگی بھر کا یہ وطیرہ بنا لیا کہ صبح اٹھے، قرآن کھولا اور ہر سطر پر انگلی پھیرتے گئے اور بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے گئے۔ قرآن مجید کو صرف حسرت بھری نظر سے دیکھتے رہنے یا بغیر سمجھے بھی تلاوت کرتے رہنے کی اجازت صرف قلیل مدت کے لئے تھی۔ بعینہ اس طرح جیسے حضرت سلمان فارسیؓ کے ساتھیوں کو تھوڑے عرصے کے لئے فارسی میں نماز ادا کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی گئی۔ ورنہ فارسی یا کسی دیگر زبان میں نماز ادا کرنا جائز نہیں۔ نماز صرف عربی زبان میں ہوتی ہے۔ سورہ فاتحہ اور قرآن سب اسی (عربی) زبان میں پڑھا جائے گا۔ ہم نے زندگی بھر کا یہ وطیرہ بنا لیا

ہے کہ یا تو سطروں پر انگلیاں پھیرتے رہیں گے اور اگر تلاوت کریں گے بھی تو بغیر سمجھے۔ ذرا غور کیجئے یہ سلوک جو ہم نے قرآن مجید فرقان حمید کے ساتھ روا رکھا ہے اگر یہی سلوک ہم اپنے کسی محبوب کے خط کے ساتھ کریں۔ مثلاً" آپ کے والد صاحب آپ کو تار دیں کہ بھئی مجھے اس ماہ کی فلاں تاریخ کو فلاں وقت لاہور ائیرپورٹ سے لے لینا۔ اب آپ اس کاغذ پر خوشبو لگائیں' اسے سبز غلاف میں لپیٹ کے رکھیں اور لے جا کر کسی انگریز کو دکھائیں کہ اس کی تلاوت کر کے مجھے سناتے جاؤ' ترجمہ بتانے کی قطعاً" ضرورت نہیں۔ ایسی صورت میں والد صاحب بے چارے پہلے تو ائیر پورٹ پر انتظار کریں گے اور جب گھر پہنچیں گے تو خوب خبر لیں گے۔

ہمارے زوال کا سب سے بڑا سبب قرآن مجید سے لاتعلقی ہے اور قرآن سے لاتعلقی کو آخرت اور اس دنیا کے اندر ذلت کا باعث فرمایا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وقال الرسول یرب ان قومی اتخذوا ھذا القران مھجورا

"رسول اکرم ﷺ (قیامت کے دن) یوں کہیں گے اے میرے پروردگار! میری قوم نے قرآن پاک کو چھوڑ دیا تھا" (الفرقان - 30)

قرآن کو چھوڑ دینا یہ ہے کہ کبھی اس کو ہاتھ ہی نہ لگایا جائے اور قرآن کو چھوڑ دینا یہ بھی ہے کہ کبھی اس کے مفہوم پر غور ہی نہ کیا جائے۔ اس لئے راقم یہ فتویٰ دینے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتا کہ جس شخص کی زندگی بھر کے پروگرام میں قرآن پاک باترجمہ پڑھنا شامل نہیں' وہ حقیقی معنوں میں مسلمان نہیں اور وہ انہی لوگوں کی صف میں ہو گا جن کے متعلق قیامت کے روز یہ استغاثہ دائر ہو گا کہ۔

"یہی وہ میری قوم کے لوگ ہیں جنہوں نے قرآن پاک چھوڑ دیا تھا"

آپ اللہ کے ہاں اپنا جواب سوچ رکھئے حکیم الامت حضرت ڈاکٹر محمد اقبال" صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین کے بارے میں فرماتے ہیں۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

تمہاری خواری اور ذلت کا سبب قرآن کو چھوڑ دینا ہے۔ علامہ اقبال" فرماتے ہیں

خوار از مہجوری قرآں شدی
شکوہ سنج گردش دوراں شدی

"تو گردش دوراں کا شکوہ کرتا ہے اور مختلف اسباب کو اپنے زوال کا سبب بتاتا ہے۔ تو نادان ہے۔ دراصل صرف قرآن کو چھوڑنے کی وجہ سے تو خوار ہوا ہے" پھر فرماتے ہیں

سبب کچھ اور ہے جس کو تو خود سمجھتا ہے
زوال بندہ مومن کا بے زری سے نہیں

یہی شکوہ قرآن مجید کے اندر ان لوگوں کے بارے میں موجود ہے جو اس دنیا میں ذلت کا شکار ہو رہے ہیں یہود کے بارے میں اور پھر مسلمانوں کے بارے میں بھی آگے چل کر یہی فرمایا کہ ان اہل کتاب کا جرم یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

مثل الذین حملوا التورٰة ثم لم یحملوھا کمثل الحمار یحمل اسفارا

"جن لوگوں پہ تورات (قبول کرنے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی ذمہ داری) کا بوجھ ڈالا گیا پھر انہوں نے اس (کے بار تعمیل) کو نہ اٹھایا، ان کی مثال گدھے کی سی ہے جس پر بڑی بڑی کتابیں لدی ہوں" (الجمعہ۔5)

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینٰت والھدی من بعد ما بینٰه للناس فی الکتٰب اولٰئک یلعنھم اللہ ویلعنھم اللٰعنون ۝

"وہ لوگ جو ان حکموں اور ہدایتوں کو جو ہم نے نازل کی ہیں (کسی غرض سے) چھپاتے ہیں باوجود یہ کہ ہم ان لوگوں کے (سمجھانے کے لئے) اپنی کتاب کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔ ایسوں پر

اللہ اور تمام لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں" (البقرہ 159)

دیکھئے! یہ وہ کتاب ہے جس کو حق تعالٰی شانہ نے واضح کر کے ہماری طرف نازل کیا۔ اگر ہم اس کو زمانے کے سامنے پیش نہ کریں اور خزانے کے سانپ بن کر اس کے اوپر بیٹھ جائیں تو اس کے بارے میں یہ وعید آئی کہ اللہ ایسے لوگوں کے اوپر لعنت بھیجتا ہے۔

امام مالکؒ نے ایک قاعدہ بیان کر دیا۔

"اس امت کے آخری حصے کے لوگوں کی اصلاح بھی اسی طرح ہو گی جس طرح پہلے لوگوں کی ہوئی تھی"

جس چیز سے صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کی اصلاح ہوئی اسی چیز سے بعد والوں کی بھی اصلاح ہو گی۔ اگر پہلے والوں کی اصلاح قرآن سے ہوئی ہے تو آخر والوں کی اصلاح بھی قرآن مجید فرقان حمید ہی سے ہو گی۔ راقم جس چیز کی طرف آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ قرآن مجید سمجھنے کے لئے تھوڑی سی عربی زبان سیکھ لیں تاکہ آپ قرآن مجید کی تلاوت سمجھ کے کر سکیں اور آپ کو اللہ تعالٰی کا پیغام پہنچے۔ جب تک پیغام نہیں پہنچے گا تب تک اس پر عمل کی کوئی صورت ممکن نہیں اور پیغام اسی وقت پہنچے گا جب وہ سمجھ میں آئے گا۔ اسی لئے فرمایا۔

ان قران الفجر کان مشھودا○

"(فجر کی نماز پر پکے رہنا) بے شک صبح کے وقت قرآن کا پڑھنا (ہمارے) مشاہدہ (اور نظر کرم) کا باعث ہے" (بنی اسرائیل۔78)

یہ قرآن ہی تو ہماری تمام بیماریوں کا علاج ہے۔ یہ اپنے بارے میں کہتا ہے "سینوں میں جو کچھ بھی ہے 'سب کا علاج' یہی ہے"

ارشاد باری تعالٰی ہے

وننزل من القران ما ھو شفاء ورحمتہ للمومنین

"اور ہم قرآن (کے ذریعے) سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لئے شفاء اور رحمت ہے" (بنی اسرائیل۔82)

ارشاد باری تعالیٰ ہے

افلا یتدبرون القران امہ علی قلوب اقفالھا○

”قرآن میں یہ لوگ تدبر کیوں نہیں کرتے' کیا ان لوگوں کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں“ (محمد-24)

یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس بات کے مخاطب ہم ہیں' جنھوں نے قرآن کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ رکھا ہے کہ اسے تو صرف چہلم' سوئم یا پھر کسی کی موت کے وقت پڑھنا ہے۔ یعنی کوئی جان بہ لب ہے تو سورہ یاسین پڑھ ڈالو۔

عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے

انسان کے دل پر بھی زنگ لگ جاتا ہے بالکل اسی طرح جس طرح لوہے پہ پانی پڑنے سے زنگ لگتا ہے۔ عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ پھر یہ زنگ کیسے دور کیا جا سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دو چیزوں سے ایک موت کا ذکر کثرت سے کیا کرو اور دوسرے قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہو۔

قرآن مجید اپنے بارے میں ایک دعویٰ کرتا ہے اس کے بارے میں ذرا غور کیجئے۔

الر کتب انزلنہ الیک لتخرج الناس من الظلمت الی النور

”یہ ایک پر نور کتاب ہے اس کو ہم نے تم پر اس لئے نازل کیا ہے کہ لوگوں کو اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاؤ“ (ابراہیم-1)

اور آج اگر آپ اندھیروں سے نکل کر روشنی میں آنا چاہتے ہیں تو پھر اتنی عربی تو سیکھ لیں کہ قرآن سمجھ میں آنے لگے اور پھر کثرت سے اس کی تلاوت شروع کر دیں تو ظلمت کے اندھیرے چھٹ جائیں گے۔

ہماری مثال تو ایسے لوگوں کی سی ہے جو کسی دور دراز سرحدی چوکی پر محافظ کے طور پر متعین ہوں اور اپنی ڈیوٹی سے غیر حاضر ہو جائیں۔ چند چور' ڈاکو بہروپیئے پولیس کی وردی میں وہاں پر چارج سنبھال لیں اور ملی بھگت سے وہاں چوری اور ڈاکے کی کھلی اجازت دے دیں اور ایسی صورت حال پیدا ہو جائے کہ شریف آدمی کا جینا ہی دوبھر ہو جائے۔ غور کیجئے کہ اس لاقانونیت کا

ذمہ دار کون ہوگا؟ آپ چوکی سے غیر حاضر ہونے والے عملہ ہی کو اس ساری صورت حال کا ذمہ دار قرار دیں گے۔

دوستو! یہ آپ کی اور ہم سب کی ذمہ داری تھی کہ اتنی عربی پڑھ لیتے کہ قرآن سمجھنے کے قابل ہو جاتے۔ یہ منبر و محراب ہی تو ہماری چوکیاں ہیں۔ ہم لوگ اپنی جگہ سے غیر حاضر ہیں۔ اس کی جواب طلبی ہم سے ہوگی۔ ہم نے قرآن نہیں پڑھا' ہم کلام پاک کے ترجمے سے دور ہیں حالانکہ اس امر کے لئے یہ شرط قطعاً ضروری نہیں کہ پہلے پورا قرآن پڑھیں' عالم دین بنیں اور پھر تبلیغ دین کے کام کا آغاز کریں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے

بلغوا عنی ولو ایتہ

"اگر صرف تمہیں ایک آیت آتی ہے تو اسے بھی آگے پہنچاؤ" (ترمذی)

آپ قرآن مجید فرقان حمید کو سیکھنے کے لئے وقت نکالئے ورنہ اپنے اندر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا درج ذیل استغاثہ پڑھنے کا حوصلہ پیدا کیجئے۔

وقال الرسول یرب ان قومی اتخذوا ھذا القران مھجورا ○

"اے پروردگار یہ ہے میری قوم جس نے قرآن پڑھنا ترک کر دیا تھا"

مجھے یقین ہے کہ دین اسلام کسی سیاسی رستے سے نہیں آئے گا۔ مجھے اس بات کا بھی یقین ہے کہ کسی مارشل لاء یا کسی ڈکٹیٹر شپ یا کسی اور ذریعے سے دین کا نفاذ ناممکن ہوگا۔ دین سے حکومت آیا کرتی ہے۔ حکومت کے ذریعے دین کبھی نافذ ہوتے نہیں دیکھا گیا اور دین قرآن کے علاوہ کسی اور رستے سے نہیں آئے گا۔ ہم صرف اور صرف قرآن ہی کے ذریعے سے مسلمان بنیں گے اور اللہ سے جو قرب کا ذریعہ قرآن ہے اور کوئی نہیں۔

تاریخ کے اوراق میں شہزادی زیب النساء کا ذکر ملتا ہے جو اورنگزیب عالمگیر کی عزیزہ تھی۔ اچھی شاعرہ تھی۔ شاعر اور ناقدین ایک دن اس بات پر بضد ہو گئے کہ ملکہ کی زیارت کریں گے۔ ملکہ چونکہ پردہ دار خاتون تھیں انہوں نے اس خواہش کے جواب میں ایک شعر لکھ کر بھیج دیا۔

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل
ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

یعنی میں اپنے کلام میں یوں چھپی ہوئی ہوں جیسے پھول کی پتیوں میں خوشبو چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ جو مجھ سے ملنا چاہتا ہے وہ میرے کلام کا مطالعہ کر لے۔ یہ شعر طالبان دید نے پڑھا ان پر سکتہ طاری ہو گیا۔ انہوں نے کہا کہ ملکہ نے آج ہمیں اہم نکتہ سمجھا دیا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ بھی تو پردہ نشین ہیں۔ وہ بھی تو یہی فرماتے ہیں "میرے قریب آنا چاہتے ہو تو مجھے میرے کلام میں ڈھونڈ لو"

حضرت علامہ اقبالؒ نے بھی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے مخاطب ہوتے ہوئے بار بار یہی کہا ہے کہ "اگر میرا ایک شعر بھی کلام اللہ سے ہٹا ہوا ہو تو مجھے قیامت کے روز ذلیل و رسوا کر دیجئے گا اور مجھے اپنے پاؤں کے بوسوں سے محروم کر دیجئے گا۔ نیز فرمایا

گر تو مے خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن

اگر تمہاری خواہش ہے کہ قرآن کے بغیر زندہ رہو تو یہ بالکل ناممکن امر ہے

فاش گویم آنچہ در دل مضمر ست
ایں کتابے نیست' چیزے دیگر است

یعنی میرے سینے میں ایک راز ہے جو آج فاش کر دیتا ہوں اور وہ یہ کہ قرآن فقط ایک کتاب ہی نہیں بلکہ کوئی اور چیز بھی ہے اور یہ وہ چیز ہے کہ

چوں بجاں در اوست جاں دیگر شود
جاں چوں دیگر شد' جہاں دیگر شود

یہ کتاب جب جان کے اندر چلی جاتی ہے تو پھر جان کوئی اور چیز بن جاتی ہے اور جب جان بدل کر اس کتاب کے رنگ میں ڈھل جاتی ہے تو پھر اس کی پوری دنیا ہی بدل جاتی ہے۔

(بحوالہ انوار القرآن)

تھامس اروِنگ (کینیڈا)

(ڈاکٹر عبدالغنی فاروق)

قبول اسلام سے قبل اور بعد میں میں جس قسم کے ذہنی و جذباتی تجربے سے گزرا ہوں اسے بیان کرنے سے پہلے میں یہ بتاؤں گا کہ کینیڈا اور امریکہ کے ہزاروں نوجوان اس قسم کے خیالات سے گزر رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر مناسب اور موثر طریقے سے وہاں اسلام کا پیغام پہنچایا جائے تو وہ اسے قبول کرنے کے لئے بس موقع اور بہانے کی تلاش میں ہیں۔

جہاں تک اسلام قبول کرنے کی داستان کا تعلق ہے، مجھے بچپن کا وہ زمانہ ابھی تک یاد ہے جب میں عیسائی عقیدے کے مطابق حضرت مسیح کی زندگی کے حالات دہرایا کرتا تھا، لیکن یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ میں ہمیشہ راسخ العقیدہ عیسائی رہا ہوں۔ لڑکپن میں اگرچہ میں بائبل کی کتنی ہی کہانیوں کو اپنے ذہن میں اتار چکا تھا لیکن یہ سوچ کر اکثر سوچ میں ڈوب جاتا کہ بائبل پڑھنے کے باوجود لوگ عموماً مذہب سے دور کیوں ہیں؟ ایک کتاب یعنی بائبل کے بارے میں عیسائیوں اور یہودیوں کا نقطہ نظر اس قدر مختلف کیوں ہے۔ پھر گمراہ اور بے دین لوگوں کو کیوں ملامت کی جاتی ہے، جب کہ وہ بائبل ہی کے بقول پیدائشی گناہگار ہیں اور اس میں اس کا کوئی قصور نہیں؟ یہ خیال بھی عموماً تنگ کرتا کہ عیسائی اور یہودی اپنے آپ کو دیگر ساری قوموں سے افضل و برتر سمجھتے ہیں، مگر یہ نیکی اور خدا ترسی پر کاربند کیوں نہیں ہوتے؟

اسی زمانے کا ذکر ہے ہندوستان سے ایک پادری واپس کینیڈا آئے تو انہوں نے نہایت بیزاری سے فرمایا وہاں "محمڈن" لوگ اپنے مذہب پر سختی سے کاربند ہیں اور ان پر ہمارا کوئی جادو نہیں چلتا۔ اسلام سے یہ میرا پہلا تعارف تھا۔ میں چونک اٹھا، تحسین کا بے اختیار جذبہ تھا جو ان لوگوں کے لئے لاشعور میں پیدا ہوا، جو آج بھی اپنے مذہب پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ بغیر جانے بوجھے دل میں اسلام کے لئے نرم گوشہ پیدا ہو گیا اور تمنا کروٹیں لینے لگی کہ اس مذہب کے بارے میں معلومات حاصل کی جائیں اور یہ تمنا اس وقت پوری ہوئی جب میں نے یونیورسٹی میں جا کر لٹریچر کا مطالعہ شروع کیا۔

خدا کا تصور اپنی مکمل صورت میں اختیار کرنے کے لئے انسان کوشش اور ترقی کے جن مختلف

مرحلوں سے گزرا ہے ان سے واقفیت ہوئی تو ذہن کی گرہیں کھلنے لگیں۔

حضرت مسیح نے ایک شفیق و حلیم خدا کا تصور دیا تھا مگر میں نے دیکھا کہ یہ نظریہ تو ہم پرستانہ عبادت کے گرد و غبار میں گم ہو کے رہ گیا ہے اور بت پرستی نے اس کا اثر زائل کر دیا ہے کجا ایک طرف یہ یقین دہانی کہ خدا رحیم و کریم ہے اور انسانوں سے محبت کرتا ہے اور کجا چرچ کا یہ عمل کہ بغیر زبردست سفارش اور واسطے کے کوئی انسان اس تک نہیں پہنچ سکتا۔ ذہن میں یہ بات پختہ ہو گئی کہ عیسائیت خدا کا سچا مذہب نہیں۔ ضرورت کسی ایسے نظریئے کی ہے جو مبنی برحق ہو اور انسانوں کو خدائے واحد کی طرف لے جانے کی طاقت رکھتا ہو اس مقصد کی خاطر میں نے اسلام کا مطالعہ شروع کیا تو حیرت انگیز انکشافات ہوئے۔ حضرت محمد ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سات سو سال بعد اس وقت خدائے واحد کی دعوت دی جب کہ پورا یورپ نیم وحشی حالت میں زندگی گزار رہا تھا۔ مریم و عیسیٰ کی پرستش ہو رہی تھی اور عقل و شعور پر مبنی کوئی تحریک ابھی تک نو سو سال کی دوری پر کھڑی تھی۔ اس عالم میں حضرت موصوف نے دنیا کو جو نیا پیغام دیا' عقل و فکر کی تائید اس کی پشت پر تھی اور واقعی اس دعوت نے تاریخ میں ہمہ نوع انقلاب برپا کر دیا۔

اس زمانے میں میں نے اسلام کے بارے میں بہت سی کتابیں پڑھ ڈالیں۔ بمبئی کے ایک کارکن جیراز بھائی (مرحوم) نے مجھے (H.W. LOVE GROVE) کی کتاب ?WHAT IS ISLAM'' بھجوا دی۔ میرے نزدیک یہ کتاب اسلام کے عملی پہلوؤں اور انسانی زندگی پر اس کی برکات کی بہترین شارح ہے۔ پھر مرحوم نے مجھے مولوی محمد علی کا ترجمہ قرآن اور کئی دیگر کتابیں بھی مہیا کیں۔ مونٹریال میں' میں نے فرانسیسی زبان میں اسلام پر بہت سا لٹریچر پڑھ ڈالا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے سارے سوالوں کے جواب مل گئے اور ذہن میں کوئی شک یا وسوسہ باقی نہ رہا۔

بالآخر میں اس یقین تک پہنچ گیا کہ حضرت محمد ﷺ خدا کے سچے نبی تھے اور ان کی زبردست ضرورت بھی تھی۔ میں نے اب تک جو نتائج اخذ کئے تھے' مکمل طور پر اختیاری نوعیت کے تھے اور علم و عقل ان کی صداقت پر گواہی دیتے تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ قرآن پاک کا تقدس و پاکیزگی میں ڈوبا ہوا انداز اور رسول اللہ ﷺ کی حد درجہ نفیس تعلیمات نے میرے دل پر ہجوم کر لیا اور اسلام آفتاب سے زیادہ روشن ہو کر میرے سامنے آگیا اور میں نے اسے قبول کر لیا۔

(بحوالہ! ہم کیوں مسلمان ہوئے)

گردش ارضی اور ماہ فروری

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

ابھی نیا سال 2000ء شروع نہیں ہوا تھا کہ اخباروں میں ماہ فروری کے بارے میں عجیب عجیب بیانات آنے لگے۔ کسی نے لکھا کہ نئے سال میں فروری کے تیس دن ہونگے اس لئے تمام ڈائریاں اور کیلنڈر جو شائع ہو چکے ہیں ضائع ہو جائیں گے اس لئے سرکاری ادارے اور پبلشرز پریشان ہو گئے ہیں۔ کسی نے لکھا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ نئی صدی کا آخری سال ہے اور معمول کے خلاف یہ لیپ کا سال نہیں ہو گا۔ حالانکہ 2000ء چار پر تقسیم ہوتا ہے اس لئے ماہ فروری اٹھائیس دنوں ہی کا ہو گا۔ دونوں صورتوں میں طباعتی اداروں کو نقصان اٹھانا پڑا لیکن وہ بچ گئے کیونکہ تقویم کے قانون کے مطابق سال 2000ء کو بطور استثناء لیپ کا سال ہی ہونا تھا حالانکہ گذشتہ تین صدیوں کے آخری سال یعنی سن 1700 ' 1800 اور 1900ء چار پر تقسیم ہو جانے کے بعد بھی لیپ کا سال نہیں تھے یعنی ان سالوں میں ماہ فروری اٹھائیس اٹھائیس دنوں کے تھے۔ ان خبروں کی دل چسپی کی پیش نظر قارئین کرام کی خدمت میں لیپ کے سال کے بارے میں قانون تقویم کی وضاحت پیش کی جا رہی ہے۔

موجودہ عیسوی کیلنڈر یونانیوں نے شروع کیا اور پھر یہ رومیوں کے ہاتھ آیا۔ ابتدائی طور پر سال کے بارہ مہینوں میں چھ تیس دنوں کے اور چھ اکتیس دنوں کے شمار کر کے 366 دنوں کے سال مقرر ہوا۔ رومن بادشاہوں جولیس سیزر اور اگسٹس نے جولائی اور اگست اپنے نام پر رکھے اور فروری سے ایک ایک دن لے کر اپنی شان بڑھانے کی خاطر ان مہینوں کو اکتیس اکتیس دنوں کا قرار دے کر یونانی ترتیب کو بدل دیا۔ کیلنڈر کے حساب سے سال کی لمبائی پورے دنوں پر مشتمل تھی لیکن در حقیقت ہماری زمین سورج کے گرد اپنی مداری گردش کا چکر 365 دن' 5 گھنٹے' 48 منٹ اور 46 سیکنڈ میں پورا کر لیتی ہے اور یہی ہمارے سال کا

دورانیہ ہونا چاہئے۔ لیکن ہماری مجبوری یہ ہے کہ وقت کو ناپنے کا ہمارے پاس فطری پیمانہ دن رات کا ہے۔

ہم مہینوں اور سالوں کی گنتی منٹوں اور گھنٹوں سے نہیں بلکہ دنوں سے کرتے ہیں۔ اس طرح کیلنڈر کے سال اور گردش ارضی کے حقیقی سال میں جو فرق تھا وہ وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا چلا گیا اور نتیجہ یہ نکلا کہ موسموں کی تبدیلی کیلنڈر کی تاریخوں سے ہٹ گئی۔ چنانچہ 1582ء میں پوپ گریگری ہشتم (GREGORY) نے جولین کیلنڈر کی اس سست روی کو محسوس کرکے اس کی اصلاح کی اور تقویم کے قانون میں مناسب تبدیلیاں کردیں۔ اس وقت کیلنڈر اور حقیقی موسموں میں دس دنوں کا فرق پیدا ہو چکا تھا اس لئے اس نے پانچ اکتوبر 1582ء کے دن کو پندرہ اکتوبر قرار دے کر دس دن نکال دئے۔ آئندہ کے لئے عام سال کی لمبائی 365 دن مقرر کردی۔ چونکہ زمین کی سالانہ گردش تقریباً" 365 1/4 دن ہے اس لئے اس اضافی چوتھائی دن کو شمار میں لانے کے لئے چار پر تقسیم ہونے والے سالوں میں فروری کے دنوں میں ایک دن کا اضافہ کرکے اسکے 29 دن مقرر کردئے۔ تاکہ چار سالوں کے بعد تقریباً" ایک دن کا جو فرق واقع ہو جاتا ہے اسے پر کیا جاسکے۔

یہ تو موٹا موٹا حساب تھا اور ہر چوتھے سال کو لیپ کا سال قرار دینے سے کافی تصیح ہو گئی۔ لیکن اوپر ہم عرض کر چکے ہیں کہ حقیقی سال کی لمبائی 365 دن 5 گھنٹے، 48 منٹ اور 4 سیکنڈ ہے۔ یہ وقت 365 1/4 دن سے 11 منٹ اور 14 سیکنڈ کم ہے۔ لیکن لیپ کی مندرجہ بالا ترمیم میں چوتھائی دن کے حساب سے چار سالوں میں ایک دن کا فرق ڈالا گیا ہے۔ چونکہ اس تقویم میں بھی گیارہ منٹ اور 14 سیکنڈ سالانہ کا فرق رہ جاتا ہے جو سو سال کے بعد 18.722 گھنٹے کا ہو جاتا ہے اس لئے یہ قانون بھی بنایا گیا کہ ہر صدی کا آخری سال اگرچہ وہ چار پر تقسیم ہو جاتا ہے اسے لیپ کا سال نہیں رکھا جائے گا تاکہ 18.722 گھنٹے کے فرق کی کچھ نہ کچھ اصلاح ہو

سکے۔ اسی لئے سن 1700، 1800 اور 1900 کے سال لیپ کے سال نہیں تھے۔ اس حساب سے تو سن 2000ء کو بھی لیپ کا سال نہیں ہونا چاہئے تھا لیکن حساب کی باریکی کی وجہ سے اس تقویم میں کچھ کسر باقی رہ گئی ہے جس کی وجہ سے ایک استثناء رکھنا ضروری ہو گیا۔

یہ ہماری مجبوری ہے کہ تقویم میں جو تھوڑا تھوڑا فرق باقی رہ جاتا ہے اسے اسی وقت دور کیا جا سکتا ہے جب وہ اکٹھا ہو کر پورا ایک دن یا اس کے کچھ کم و بیش ہو جائے کیونکہ سال کا کیلنڈر کسروں میں نہیں بلکہ پورے دنوں ہی سے بنتا ہے۔

آخری ترمیم میں صدیوں والے سال کو لیپ کا سال قرار نہ دے کر جو ایک دن کا فرق ڈالا گیا وہ 18.722 گھنٹوں کی اصلاح کے لئے تھا اس طرح 5.278 گھنٹے زیادہ گن لئے گئے۔ یہ فرق ایک صدی کے دوران واقع ہو گا جو چار صدیوں میں بڑھ کر 21.112 گھنٹے ہو جائے گا۔ اس کو درست کرنے کے لئے قانون کی صورت یہ بنی کہ صدیوں والے سال لیپ کے نہیں ہوں گے سوائے ان صدیوں کے جو 400 پر تقسیم ہو جائیں۔ کیونکہ 2000ء چار سو پر تقسیم ہو جاتا ہے اس لئے یہ لیپ کا سال ہو گا اور ماہ فروری کے 29 دن ہوں گے۔ آنے والی صدیوں میں 2100، 2200، 2300 لیپ کے سال نہیں ہوں گے لیکن چار سو پر تقسیم ہو جانے والا سن 2400 پھر لیپ کا سال قرار دیا جائے گا۔

پوپ گریگری کے اصلاح کردہ کیلنڈر کے اس نظام کو رومن کیتھولک ممالک نے اپنے ہاں جاری کر دیا لیکن برطانیہ اور اس کی کالونی امریکہ نے 170 سال بعد اسے نافذ کیا جب کہ موسموں کا فرق گیارہ دن کا ہو چکا تھا۔ انہوں نے 3 ستمبر سے 13 ستمبر 1752ء تک گیارہ دن اپنے کیلنڈر سے نکال دئے اور یہ دن برطانیہ اور امریکہ کی تاریخ میں نہیں پائے جاتے۔

قربانی کا بیان

(حافظ محمد یاسین)

قربانی کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی پرانی خود مذہب یا انسان کی تاریخ ہے۔ انسان نے مختلف ادوار میں، عقیدت و فدائیت، سپردگی و جاں نثاری، عشق و محبت، عجز و نیاز، ایثار و قربانی اور پرستش و عبدیت کے جو طریقے اختیار کئے خدا کی شریعت نے انسانی نفسیات اور جذبات کا لحاظ کرتے ہوئے وہ تمام طریقے اپنی مخصوص اخلاقی اصطلاحات کے ساتھ خدا کے لئے خاص کر دئے۔ انسان نے اپنے معبود کے حضور جان کی قربانی بھی پیش کی اور یہی قربانی کا سب سے اعلیٰ مظہر ہے خدا نے اس کو بھی اپنے لئے خاص کر لیا اور اپنے سوا ہر ایک کے لئے اس کو قطعاً" حرام قرار دے دیا۔

انسانی تاریخ کی سب سے پہلی قربانی

انسانی تاریخ میں سب سے پہلی قربانی آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل کی قربانی ہے۔ قرآن پاک میں اس قربانی کا ذکر ہے

ترجمہ! "اور ان کو آدم علیہ السلام کے بیٹوں کا قصہ بھی ٹھیک ٹھاک سنا دیجئے جب ان دونوں نے قربانی کی تو ایک کی قربانی قبول ہوئی اور دوسرے کی قبول نہیں ہوئی" دراصل ایک نے جس کا نام "ہابیل" تھا دل کی آمادگی سے رضائے الٰہی کی خاطر بہترین دنبے کی قربانی پیش کی اور دوسرے نے جس کا نام "قابیل" تھا بے دلی سے ناکارہ غلے کا ایک ڈھیر پیش کر دیا۔ ہابیل کی قربانی کو آسمانی آگ نے جلا ڈالا اور یہ مقبولیت کی علامت تھی، لیکن دوسری کو آگ نے نہ جلایا اور یہ مقبول نہ ہونے کی علامت تھی۔

قربانی تمام الٰہی شریعتوں میں

قربانی کا حکم تمام الٰہی شریعتوں میں ہمیشہ موجود رہا ہے اور ہر امت کے نظام عبادت میں

اسے ایک لازمی جز کی حیثیت حاصل رہی ہے

ترجمہ! اور ہم نے ہر امت کے لئے قربانی کا ایک قاعدہ مقرر کر دیا ہے تاکہ وہ ان چوپایوں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے ان کو عطا فرمائے ہیں" (الحج آیت 34)

یعنی قربانی ہر شریعت کے نظام عبادت میں موجود رہی ہے البتہ مختلف زمانوں' قوموں اور مختلف ملکوں کے نبیوں کی شریعتوں میں ان کے حالات کے پیش نظر قربانی کے قاعدے اور تفصیلات جدا جدا رہی ہیں۔

لیکن بنیادی طور پر یہ بات تمام آسمانی شریعتوں میں مشترک رہی ہے کہ جانور کی قربانی صرف اللہ کے لئے کی جائے اور اسی کا نام لے کر کی جائے۔ قرآن پاک نے قربانی کے تین مقاصد کی طرف اشارے کئے ہیں۔

1۔ قربانی کے جانور خدا پرستی کی نشانی ہیں۔

ترجمہ! "اور قربانی کے اونٹوں کو ہم نے "شعائراللہ" قرار دیا ہے"

"شعائر" "شعیرہ" کی جمع ہے شعیرہ اس مخصوص علامت کو کہتے ہیں جو کسی روحانی اور معنوی حقیقت کی طرف متوجہ کرے اور اس کی یاد کا سبب اور علامت بنے' قربانی کے یہ جانور اس روحانی حقیقت کی مخصوص علامتیں ہیں کہ قربانی کرنے والا دراصل ان جذبات کا اظہار کر رہا ہے کہ ان جانوروں کا خون دراصل میرے خون کا قائم مقام ہے' میری جان بھی خدا کی راہ میں اسی طرح قربان ہے جس طرح میں اس جانور کو قربان کر رہا ہوں۔

2۔ قربانی اللہ کی نعمت کا عملی شکر ہے

ترجمہ! اسی طرح ان جانوروں کو ہم نے تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے تاکہ تم شکر ادا کرو"

خدا نے جانوروں کو انسان کے لئے مسخر فرما کر اس پر عظیم احسان کیا ہے' انسان ان جانوروں سے گوناگوں فائدے اٹھاتا ہے' ان کا دودھ پیتا ہے ان کے گوشت کو غذا بناتا ہے۔ ان کی ہڈی' کھال اور اون سے ضرورت کی نوع بنوع چیزیں تیار کرتا ہے ان سے کھیتی باڑی

میں مدد لیتا ہے' ان پر بوجھ ڈھوتا ہے' ان پر سواری کرتا ہے اور ان کے ذریعے اپنی شان و شوکت کا اظہار کرتا ہے' قرآن پاک ان فوائد کی طرف اشارہ کر کے اور ان کی تسخیر کا ذکر فرما کر خدا پرستی اور احسان مندی کے جذبات کو ابھارنا چاہتا ہے اور یہ طرز فکر پیدا کرنا چاہتا ہے کہ جس خدائے بزرگ و برتر نے یہ عظیم الشان نعمت عطا کی ہے اسی کے نام پر ان کی قربانی ہونی چاہیے۔ قربانی خدا کی عظیم نعمت کا عملی شکر ہے۔

3۔ قربانی خدا کی عظمت اور کبریائی کا اظہار ہے

ترجمہ: "خدا نے اس طرح چوپایوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے تاکہ تم اس کی بخشی ہوئی ہدایت کے مطابق اس کی بڑائی اور کبریائی کا اظہار کرو"

یعنی ان جانوروں کا خدا کے نام پر ذبح کرنا دراصل اس حقیقت کا اعلان و اظہار ہے کہ جس خدا نے یہ نعمت عطا کی ہے اور جس نے ان کو ہمارے لئے مسخر کر رکھا ہے وہ ان کا حقیقی مالک ہے۔

قربانی اس حقیقی مالک کا شکریہ بھی ہے اور اس بات کا عملی اظہار بھی کہ مومن دل سے خدا کی بڑائی' عظمت اور کبریائی پر یقین رکھتا ہے۔

جانور کے گلے پر چھری رکھ کر وہ اس حقیقت کا عملی اظہار و اعلان بھی کرتا ہے اور زبان سے بھی "بسم اللہ اکبر" کہہ کر اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے۔

قربانی کی فضیلت

نبی اکرم ﷺ نے قربانی کی فضیلت اور بے بہا اجر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

1۔ خدا کے نزدیک دسویں ذوالحجہ کو قربانی کا خون بہانے سے زیادہ پسندیدہ کوئی عمل نہیں ہے۔ قیامت کے دن قربانی کا جانور اپنے سینگوں' بالوں اور کھروں سمیت حاضر ہو گا اور قربانی کا خون زمین پر گرنے نہیں پاتا کہ خدا کے ہاں مقبول ہو جاتا ہے لہٰذا قربانی دل کی خوشی اور پوری آمادگی سے کیا کرو"

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہ اجمعین نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا یارسول اللہ ﷺ یہ

قربانی کیا چیز ہے؟ ارشاد فرمایا یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے' صحابہ نے کہا یارسول اللہ ﷺ اس میں ہمارے لئے کیا اجر و ثواب ہے؟ ارشاد فرمایا ہر ہر بال کے بدلے ایک نیکی ملے گی۔ صحابہ نے کہا اور اون کے بدلے یارسول اللہ ﷺ؟ فرمایا ہاں اون کے ہر ہر رویں کے بدلے بھی ایک نیکی ملے گی۔

قربانی کے متفرق مسائل

1۔ قربانی کرتے وقت نیت کا زبان سے اظہار کرنا اور دعا پڑھنا ضروری نہیں صرف دل کی نیت اور ارادہ قربانی صحیح ہونے کے لئے کافی ہے' البتہ زبان سے دعا پڑھنا بہت بہتر ہے

2۔ اپنی قربانی کا جانور اپنے ہی ہاتھ سے ذبح کرنا بہتر ہے ہاں اگر کسی وجہ سے خود بخود نہ کر سکے تو کم از کم وہاں موجود ہی رہے۔ اور خواتین بھی اپنی قربانی کا جانور ذبح ہوتے وقت موجود رہیں تو بہتر ہے

نبی ﷺ نے قربانی کے وقت حضرت فاطمہ ؓ سے فرمایا

"فاطمہ! اٹھو اپنی قربانی کے جانور کے پاس کھڑی ہو اس لئے کہ اس کے ہر قطرہ خون کے بدلے تمہارے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

3۔ گائے' بھینس اور اونٹ کی قربانی میں کئی افراد شریک ہیں اور وہ آپس میں گوشت تقسیم کرنے کے بجائے سب ایک ساتھ ہی فقراء اور مساکین کو تقسیم کرنا چاہیے یا پکا کر کھلانا چاہیے تو یہ بھی جائز ہے

4۔ قربانی کا گوشت غیر مسلموں کو دینا بھی جائز ہے البتہ اجرت میں دینا جائز نہیں۔

5۔ قصاب کو گوشت بنانے کی مزدوری میں گوشت' کھال یا رسی وغیرہ نہ دی جائے بلکہ مزدوری الگ سے دی جائے اور جانور کی رسی کھال وغیرہ سب خیرات کر دینی چاہیے۔ (ماخوذ از آسان فقہ)

چند اہم اطلاعات

☆ الحمد للہ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا سالانہ اجتماع انشاء اللہ تعالیٰ بتاریخ 21‘22‘23اپریل 2000ء بروز جمعہ ‘ہفتہ ‘اتوار مرکز تعمیر ملت گوجرانوالہ منعقد کیا جا رہا ہے برادران اپنے احباب کے ہمراہ اجتماع پہ پورے ذوق و شوق سے تشریف لائیں۔ سب بھائیوں کو دعوت نامے ارسال کئے جائیں گے۔ اگر کسی وجہ سے کسی بھائی کو دعوت نامہ موصول نہ ہو تو وہ ان تاریخوں کو حتمی سمجھتے ہوئے اجتماع پہ ضرور شریک ہو جائیں۔

☆ شیخ سلسلہ قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب کی تمام مجازین سلسلہ کو خصوصی ہدایت ہے کہ وہ اجتماع پہ تقریر کے لئے کم از کم 30 منٹ کا تقریری مواد تیار کر کے لائیں جس کا موضوع سلسلہ کی تعلیمات کی اہمیت اور ان کی تعلیمات کے فروغ و ترویج کی تجاویز پر مبنی ہو۔

☆ شیخ سلسلہ کا فرمان ہے کہ حلقہ فنڈ ماہ اپریل اجتماع کے موقع پہ ہی جمع کروایا جائے لہٰذا کوئی بھائی یہ فنڈ منی آرڈر کے ذریعے نہ بھیجے۔

☆ گوجرانوالہ حلقہ کے بھائی محمد اصغر بٹ صاحب کی اہلیہ انتقال فرما گئی ہیں۔ آپ سب بھائیوں سے التماس ہے کہ مرحومہ کے لئے دعائے مغفرت فرمائیں

زندگی اور موت کا سوال

- جب ہمارا دین مکمل، ہمارا نبی ﷺ برحق اور ہمارا قرآن اللہ تعالےٰ کی سچی کتاب ہے تو پھر ملت اسلامیہ کے زوال کی وجہ کیا ہے؟
- جب اللہ تعالےٰ نے ہم سے وعدہ فرمایا کہ اگر تم مومن ہو تو تمہیں غالب رہو گے اور یہ بھی کہ اگر اللہ تمہارا مددگار ہے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ تو پھر ہم اسقدر مغلوب بے بس اور رسوا کیوں ہیں؟
- مسلمان نماز بھی پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں اور حج بھی پہلے سے زیادہ کرتے ہیں۔ بزرگوں کے مزاروں پر عرس بھی خوب شاندار طریقہ سے مناتے ہیں۔ ماہ محرم میں بھی کیا جوش و خروش ہوتا ہے۔ مالدار بھی بہت ہیں اور لاکھوں لوگ کوٹھیوں، کاروں اور کارخانوں کے مالک ہیں تو پھر یہ مردنی کیوں ہے اور یہ تنزل کیوں ہو رہا ہے؟
- ہر طاقتور ملک کی نظریں ہمارے ملکوں پر کیوں لگی ہیں اور ہر طرف خون مسلم اسقدر بے دردی اور ارزانی کے ساتھ کیوں بہایا جا رہا ہے؟
- نکبت وادبار کی موجودہ حالت سے نکلنے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں اور کونسے لائحہ عمل پر چل کر ہم اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں؟

FALAH-E-ADMIAT

Registered No. CPL 491

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

صداقت — اللہ — محبت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

بانی سلسلہ کی تصانیف

"چراغ راہ" خواجہ عبدالحکیم انصاری "سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے سالانہ اجتماعات پر مریدین کی تربیت اور راہنمائی کے لئے جو خطبات ارشاد فرماتے رہے یہ کتاب ان کا مجموعہ ہے اس میں نئے سلسلہ کے قیام کے اغراض و مقاصد تفصیل سے درج کرنے کے علاوہ راہ سلوک کے پیچ و خم "نشیب و فراز اس میں پیش آنے والی رکاوٹیں اور پیدا ہو جانے والی غلط فہمیاں بیان کردی گئی ہیں اور صدیوں سے حل طلب روحانی گتھیوں کو سلجھانے کے لئے ایسے ایسے نادر نکات بیان کئے گئے ہیں کہ یہ گیارہ خطبات ملت اسلامیہ کے لئے درس حیات اور سالکین کے لئے منارہ ہائے نور کی حیثیت رکھتے ہیں وہ خصوصی مسائل جن پر روشنی ڈالی گئی ہے یہ ہیں۔

☆ سلوک و تصوف میں اپنے ذاتی تجربوں اور تحقیق کا بیان۔

☆ مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور میں کیسے کیسے فقیر ملے اور مرشد سے ملاقات کا حال۔

☆ ہمارے زوال میں امرا علماء اور صوفیاء نے کیا کردار ادا کیا؟

☆ علماء ظاہر اور اہل روحانیت صوفیاء کے اصلاح کے طریقوں میں کیا فرق ہے۔

☆ قوم میں تصوف خفتہ اور تصوف بیدار کے اثرات کیا ہوتے ہیں؟

☆ تصوف کی اہمیت اور انسان کی زندگی پر اس کے اثرات۔

☆ عقل صمیم، عقل سلیم اور قلب سلیم کیا ہیں اور ان سے ہمیں کیا ملتا ہے۔

☆ یوگا، ہپناٹزم اور مسمریزم کی حقیقت اور انکے مقابلہ میں اسلامی روحانیت کی برتری اور فضیلت

☆ کرامات کی طاقت کس طرح حاصل ہوتی ہے اور کشف کیونکر ہوتا ہے؟

☆ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی؟